دِل چسپ کہانی اُن کی

سوانح حیات حضرتِ فصیح الدین بلخی

سوانح نگار

نادِم بلخی

ناشِر

مکتبہ قادِریہ امینیہ، سہسرام

دلچسپ کہانی
اُن کی
سوانح حیات

حضرت فصیح الدین بلخی

سوانح نگار:-

نادم بلخی

نام کتاب:- دلچسپ کہانی انکی سوانح حیات
حضرت فصیح الدین بلخی مرحوم

مصنف:- نادم بلخی

تعداد اشاعت:- چھ سو (بار اول)

سن اشاعت وطباعت:- ۱۴۲۱ھ ۲۰۰۱ء

کمپیوٹر کتابت:- منصور رضا، ابن قمر نظامی، معروف گنج، گیا

ناشر:- سیّد مناظر الحسن قادری، داؤد نگر
مکتبہ قادریہ، امینیہ سہسرام، بہار

ہدیہ:-

طباعت:- پرنٹ فیم، سبزی باغ، پٹنہ ۸۰۰۰۰۴ (بہار)

ملنے کا پتہ:-
(۱) مکتبہ قادریہ انیسیہ ڈالٹین گنج
(۲) مکتبہ قادریہ ابدالیہ داؤد نگر ضلع اورنگ آباد
(۳) مکتبہ قادریہ رشیدیہ آبگلہ بنیاد گنج ،گیا
(۴) گلستاں کتاب گھر چھوٹی مسجد روڈ ڈالٹین گنج
(۵) کتاب منزل ،بانکی پور سبزی باغ پٹنہ ۴
(۶) بک امپوریم ،سبزی باغ پٹنہ ۴
(۷) تاج بک ڈپو رانچی
(۸) مکتبہ توازن ۵۴ نیا پورہ مالیگاؤں

اِنتساب!

بصد عقیدت واحترام

حضرت مولانا بُرھان الدین شمس مظفر بلخی قُدسرہ

کے

نام!!

نادمؔ بلخی

فہرست موضوعات

سرخیاں	صفحہ نمبر

سرخیاں	صفحہ نمبر
بلخی صاحب مرحوم شہر گیا میں	۶۴
بڑے بھائی حفیظ الدین بلخی مرحوم کی وفات اور قمر گیاوی مرحوم کے قطعات تاریخ وفات	۶۶
منجھلے بھائی مصنف تاریخ شعرائے بہار عزیزالدین بلخی مرحوم کا انتقال اور قمر گیاوی مرحوم کے قطعاتِ تاریخ	۶۶
کرائے کیلا اور بلخی صاحب مرحوم بحیثیت مصنف و حاکم	۶۷
بلخی صاحب مرحوم کی انصاف پسندی	۷۲
سکرو چور اور بلخی صاحب مرحوم کا فیصلہ	۷۳
گوڑا بابو کا مقدمہ اور بلخی صاحب کا فیصلہ	۷۴
اسرو میاں کا مقدمہ اور بلخی صاحب مرحوم	۷۴
کرائے کیلا پیڑ کے مسلمان اور بلخی صاحب مرحوم	۷۷
کرائے کیلا میں فرقہ وارانہ کشیدگی اور بلخی صاحب مرحوم	۷۷
بلخی صاحب کی غذا اور لباس	۷۸
بلخی صاحب مرحوم کی شریک حیات کرائے کیلا پیڑ میں	۸۰
آنکھوں کے امراض کی دوا اور بلخی صاحب مرحوم	۸۴
دیگر دوائیں اور بلخی صاحب مرحوم	۸۵
بلخی صاحب مرحوم ڈھیکانال اسٹیٹ میں	۸۶
ڈائن کا واقعہ اور بلخی صاحب مرحوم	۹۱
ایک پاگل عورت	۹۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمتہ الکتاب

”دل چسپ کہانی اُن کی ایک ادبی سرمایہ“

از : پیر طریقت حضرت علامہ مولانا **سید شاہ حماد احمد صابرؔ قادری**
رزاقی، زیب سجادہ ”خانقاہ قادریہ ابدالیہ سلیمانیہ رشیدیہ‘
میاں محلہ، پُرانا شہر، داؤد نگر، ضلع اورنگ آباد۔ (بہار)

کہانی کہنا اور سُننا کوئی نئی چیز نہیں بلکہ جب سے انسانی تہذیب کا آغاز ہوا ہے اُس وقت سے اب تک ہر دور اور ہر زمانے میں اس سے انسان کا خاص لگاؤ رہا ہے۔ قدرت نے انسان کی فطرت میں یہ ودیعت کی ہے کہ اُسے محبوب شئی کی تلاش و جستجو میں رغبت زیادہ ہوا کرتی ہے۔ اُنھیں محبوب شئی میں کہانی کہنا اور سُننا بھی ہے۔ کہانیاں چونکہ زندگی کی کوکھ سے جنم لیتی ہیں اور وہ زندگی کی آئینہ دار بھی ہوا کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انقلاب زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کا رنگ و روپ بدلتا رہا ہے۔ لہذا اُنھیں رنگ و روپ میں ایک رنگ و روپ سوانح نگاری اور واقعہ نگاری بھی ہے کہ ایک اچھے اور سچے انسان کے حالات و کارنامے مابعد کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سوانح حیات کے مطالعہ سے اوّل فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ اُس کے ذریعے گذشتگاں و رفتگان کے حالات و واقعات کی واقفیت ہوتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کے اچھے کردار کو مشعل راہ بنانے کا موقع نصیب ہوتا ہے۔ پڑھے لکھے طبقوں میں سوانح نگاری کا رواج

عرصۂ دراز سے پایا جاتا ہے اور عصر حاضر میں اس کی طرف اور زیادہ توجہ ہوئی ہے۔ ''دل چسپ کہانی اُن کی'' اور اس کے علاوہ دیگر سوانح نگار کی کتابیں اس کا بیّن دلیل ہیں۔

''دل چسپ کہانی اُن کی'' یہ سوانح حیات پر لکھی ہوئی ایک شاندار اور مبسوط کتاب ہے۔ اس کے مصنف حضرت علامہ سید محمد ابراہیم نادمؔ بلخی صاحب ہیں۔ علامہ موصوف نے یہ کتاب اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا فصیح الدین بلخی کی حالات زندگی پر لکھی ہے۔ حضرت مولانا فصیح الدین بلخی عظیم آبادی کے حیات اور کارنامے پر اس سے بہت پہلے غالباً ۱۹۸۸ء میں ایک کتاب منظر عام پر آئی تھی۔ جس کے مصنف علامہ نادمؔ بلخی صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے جناب سید مظفر بلخی ہیں۔ اُنھوں نے اپنے بزرگوار کے حیات اور کارناموں کو ''۳۸۸'' صفحات پر مذکورہ نامی کتاب میں پھیلایا ہے۔ اس نتیجے میں اُنھیں رانچی یونیورسیٹی سے ''پی۔ ایچ۔ ڈی'' کی ڈگری بھی اس پر حاصل ہو چکی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نادمؔ بلخی صاحب کا گھر علم و دانش کا گہوارہ ہر دور میں رہا ہے۔ ناظرین کو اس کتاب میں بھی اس کا ثبوت بہم مل سکتا ہے۔

علامہ نادمؔ بلخی صاحب وقت حاضر کے ایک ممتاز اور مایہ ناز ادیب و شاعر، واقعہ نگار، ناقد و مبصر، محقق و مدقق، تاریخ داں و تاریخ نگار، مقالہ و مضمون نگار، عروض داں، صاحب تالیف و تصنیف اور اہل ہنر و فنکار میں سے ہیں۔ اب تک ان کی ایک درجن سے زیادہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ اور اسی شمار میں غیر مطبوع کتابیں بھی ہیں۔ ان تصنیفات میں نثری اور شعری دونوں سرمائے ہیں۔ نثری سرمایوں میں ''شُعاعِ نقد''، ''متاعِ نقد''، ''مقالاتِ نادمؔ''، ''احوال پلاموں''، ''تفہیم العروض'' اور پھر یہ کتاب ''دل چسپ کہانی اُن کی'' سوانح حیات حضرت فصیح الدین بلخی وغیرہا ہیں۔

مذکورہ کتابوں کے علاوہ تمام کی تمام شعری سرمایوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً آغازِ سحر، ذوقِ سفر، دوپہر کا دائرہ، نقطوں کا حصار، جیون درشن، تحفے، دھوپ

میں صحرا نوردی، چودہ طبق، میٹھی میٹھی بولیاں، باغی ارتعاش، کشف تغزل، ضیائے عرفاں، ترلوک، شبدوں کی آواز، نکات اربع، آزاد لہریں، شام سے پہلے وغیرہا۔

مذکورہ شعری مجموعے مختلف اصناف سخن میں ہیں مثلاً، نعت و حمد، سلام و منقبت، نظم و غزل، رباعی و قطعات، ہائیکو، ماہیا، دوہا وغیرہ۔ ان اصناف سخن کی حیثیت سے کتابوں کی تقسیم درج ذیل ہے۔

نمبر شمار	اصناف	کتابوں کے نام
۱.	پابند غزلیں	آغاز سحر، ذوق سفر، دوپہر کا دائرہ، دھوپ میں صحرا نوردی، باغی ارتعاش، کشفِ تغزل
۲.	آزاد غزلیں	آزاد لہریں
۳.	نظم	تحفے، شام سے پہلے
۴.	منظوم پہیلیاں	بچو! آؤ پہیلی بوجھیں، تحفے
۵.	ہائیکو (جاپانی صنف)	ترلوک
۶.	ماہیا (پنجابی صنف)	ترسول
۷.	دوہے	شبدوں کی آواز، جیون درشن
۸.	رباعیات	نکاتِ اربع، نقطوں کا حصار
۹.	حمد و نعت منقبت و دعاء	ضیائے عرفاں، چودہ طبق سائنٹ

"آغاز سحر میں چار صنفوں میں کلام ہیں۔ غزلیں نظمیں سائنٹ، رباعیات اور قطعات۔ تحفے" نامی کتاب میں بچوں کے لئے نظمیں ہیں۔ رباعیات اور منظوم پہیلیاں بھی ہیں۔ "چودہ طبق" از اول تا آخر سائنٹ میں ہے۔ اس کتاب میں ہر عنوان کے تحت چودہ مصرعوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام" چودہ طبق" رکھا گیا ہے۔ علامہ نادم بلخی صاحب کی چودہ طبق اور ضیائے عرفاں ان دونوں

کتابوں پر راقم الحروف کے مقدمے اور تقریظ نہیں۔اسی طرح ''بچو! آؤ پہیلی بوجھیں''اس پر بھی ایک طویل مقدمہ ہے۔مذکورہ اصناف سُخن کو مد نظر رکھتے ہوئے علامہ کی جس قدر کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اُن کو دیکھنے کے بعد بلا تامل علامہ کی صلاحیت و قابلیت اور سعئ بلیغ اور جہد مسلسل کی داد دینی پڑتی ہے۔اور ایسا کیوں نہ ہو۔

اس لئے کہ اُن کی پوری زندگی اُردو شعر و ادب کی خدمات ہی میں گذری ہے۔اور گذر بھی رہی ہے۔کیونکہ علامہ نے اپنی عمر کا ایک طویل حصہ پُروفیسری کے عہدہ پر رہ کر بھی گذارا ہے۔اور اس سے سُبکدوشی کے بعد اب تو اور زیادہ انہماک کے ساتھ شب و روز کا بیشتر حصہ بس شعر و ادب کی خدمات اور اُس کی ترقی ہی میں وقف ہے۔اگرچہ علامہ کی عمر کا یہ آخری دور ہے اس عمر میں پہونچ کر انسان کے اعصاب اور دل و دماغ پر ضُعف کا حملہ شدید طور پر ہونے لگتا ہے۔بینائی پر بھی خاص اثر پڑتا ہے لیکن علامہ ان سب کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمت مردانگی سے کام لے رہے ہیں اور اپنے ارادوں کی تکمیل میں گامزن ہیں۔

جیسا کہ اُوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ علامہ نادؔم بلخی صاحب کے نثری سرمایوں میں بھی چند کتابیں موجود ہیں۔ تنقید نگاری میں دو کتابیں ہیں۔اولؔ ''شُعاعِ نقد'' دومؔ ''متاعِ نقد'' اوّل الذکر طبع ہو چکی ہے۔اس میں گیارہ اُردو اُدباد شعراء کے حیات، کارنامے اور کلام پر نقد و تبصرے ہیں۔ مثلاً حکیم مومنؔ، صفیرؔ بلگرامی، مبارکؔ عظیم آبادی، قاضیؔ عبداودود، شارقؔ جمال ناگپوری، عتیقؔ احمد عتیق، ظہیرؔ غازی پوری، سیفؔ بھاولی، جنابؔ ناوک حمزہ پوری، جناب ظفرؔ ہاشمی اور جناب رشیدؔ اعجاز کی آزاد غزلیں۔

''شُعاعِ نقد'' ترتیب مضامین کے لحاظ سے اس طرح ہے۔

• انتسابؔ • عرض مصنف • مومن اور وہابی تحریک • صفیر بلگرامی • مبارک عظیم آبادی • قاضی عبدالودود۔حیات اور خدمات • قابل توجہ ایک شعری مجموعہ

(نقش بر نقش) • کل اور آج کا سرمایہ۔بیت العتیق • ظہیر غازی پوری کی شاعری کا ایک جائزہ • خوش سخن پرندے کی آواز • انتشار غزل۔ایک وقیع شعری سرمایہ • ظفر ہاشمی اپنی آزاد غزلوں کے آئینے میں • رشید اعجاز کی آزاد غزلوں میں عروضی اور صوتی نظام • جاپانی صنف ہائیکو اور اُردو شاعری۔

آخرالذکر عنوان کے تحت علامہ موصوف نے جاپانی صنف ہائیکو کا تذکرہ و تعارف کرتے ہوئے اُس کے اوزان کو بھی متعین کیے ہیں اور اپنے ہائیکو کلام سے مثال بھی پیش کیے ہیں۔ہائیکو کے لئے اوزان کا اختراع ساتوں سالم ارکان سے زحافات کی مدد لے کر حاصل کیا گیا ہے۔لہذا علامہ موصوف نے اپنے اس مضمون میں ساتوں سالم ارکان سے ہائیکو کے لئے جو اوزان اختراع کیے ہیں اُن اوزان کے تحت ہائیکو کے جو جو "۳۱"کلام کو مثال کے طور پر پیش کیے ہیں اس کی ترتیب بحیثیت شمار اس طرح ہے۔

۱.	بحر متقارب سالم کے رکن فعولن سے نکلے ہوئے اوزان۔۔۶	کلام۔۔۶
۲.	بحر متدارک سالم کے رکن فاعلن سے نکلے ہوئے اوزان۔۔۶	کلام۔۔۶
۳.	بحر ہزج سالم کے رکن مفاعیلن سے نکلے ہوئے اوزان۔۔۹	کلام۔۔۹
۴.	بحر رجز سالم کے رکن مستفعلن سے نکلے ہوئے اوزان۔۔ ۴	کلام۔۔ ۴
۵.	بحر رمل سالم کے رکن فاعلاتن سے نکلے ہوئے اوزان۔۔ ۳	کلام۔۔ ۳
۶.	بحر کامل سالم کے رکن متفاعلن سے نکلے ہوئے اوزان۔۔ ۲	کلام۔۔۲
۷.	بحر وافر سالم کے رکن مفاعلتن سے نکلے ہوئے اوزان۔۔۱	کلام۔۔۱
	مجموعی تعداد ۳۱	۳۱

ہائیکو صنف میں علامہ کا شعری مجموعہ "ترلوک" نامی کتاب ہے۔اس میں تقریباً آٹھ سو ہائیکو ہوں گے۔اُنھیں ہائیکوں سے اکتیس کلام منتخب کر کے علامہ نے یہاں تمثیلاً پیش کیا ہے۔"شعاعِ نقد" کے مطالع سے علامہ موصوف کی عُقابی نگاہ کا پتہ بدرجہ اتم ملتا ہے۔علامہ کی "شعاعِ نقد" کے علاوہ تحقیقی مضامین پر دوسری کتاب "متاعِ نقد"

ہے۔ یہ ابھی غیر مطبوع ہے۔ مضمون نگاری میں تیسری کتاب "مقالات نادمؔ" ہے۔ یہ بھی غیر مطبوع ہے۔ واقعہ نگاری میں بھی ایک کتاب ہے جو "احوالِ پلاموں" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ بھی غیرِ مطبوع ہے۔ علم العروض کے فن پر بھی ایک کتاب ہے جو "تفہیم العروض" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اور چھٹی کتاب "سوانح حیات" پر ہے جو "دل چسپ کہانی اُن کی" سے موسوم ہے۔ اور یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

علامہ موصوف نے اس کتاب کو آج سے دس پندرہ سال قبل ہی لکھ کر پایہ تکمیل کو پہونچا دیا تھا۔ لیکن نامساعد حالات کی بنا پر اس سے قبل تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی تھی۔ علامہ موصوف نے ایک ملاقات کے دوران چند سال پہلے اس کے اشاعت کی ذمہ داری راقم الحروف کے سپرد کی تھی۔ لہٰذا میں نے اُن کی اس خواہش کا احترام کیا۔ لیکن فوری طور پر میں بھی اس کام کو انجام دینے سے قاصر رہا۔ چونکہ میری بھی کئی کتابیں طباعت کی منزل میں تھیں۔ جب اس سے فراغت حاصل ہوئی تو اس سال رواں ۲۰۰۰ء میں اسے زیور طبع سے آراستہ کرانے کا موقع فراہم ہوا۔ لہٰذا اللہ عزّ و جل کی عنایت اور پھر اپنی جانفشانی کے ذریعہ علامہ کی اس کتاب کو آپ تک پہونچانے میں کامیاب ہو سکا ہوں۔

علامہ موصوف نے اپنی کتاب "دل چسپ کہانی اُن کی" میں تقریباً "۶۵" ذیلی عنوانات درج کئے ہیں۔ اور ہر ایک عنوان کے تحت موضوعاتی گوشوں کو نہایت سنجیدگی، طمانیت اور چابک دستی کے ساتھ اُجاگر کیا ہے۔ چونکہ اس کتاب کو علامہ نے اپنے والد بزرگوار قدس سرہ، کی سوانح حیات پر لکھی ہے۔ لہٰذا اُنہوں نے ہر ایک پہلو کو محققانہ اور مصدقانہ اندازِ تحریر میں پیش کیا ہے۔ اس میں کچھ واقعات ایسے ہیں جو اُنہوں نے اپنے خاندانی بزرگوں اور اپنے والد بزرگوار کے احباب یا ہمعصروں یا خود والد بزرگوار کی زبانی سُنا ہے۔ اور کچھ واقعات وہ ہیں جو علامہ نے خود ملاحظہ و مشاہدہ کیا ہے۔ اور کچھ حالات و واقعات اور مواد ایسے بھی ہیں جو والد بزرگوار کی کتابوں، کاپیوں اور ڈائریوں سے حاصل ہوئے

ہیں۔ مختصر یہ کہ محترم موصوف نے اپنے والد بزرگوار کی سوانح نگاری میں جہاں تک ممکن ہو سکا ہے بہت ہی محنتیں اور کاوشیں کی ہیں۔اور حقیقت کو مد نظر رکھا ہے۔غلط بیانی، مبالغہ آرائی، تصنع اور بناوٹ سے حد درجہ احتراز کیا ہے۔ہاں یہ بات ضرور ہے کہ واقعہ کو خوبصورت انداز تحریر میں پیش کرنے کی سعی ضرور کی گئی ہے۔اس کتاب میں علامہ موصوف نے اپنے والد بزرگوار قدس سرہ کے خاندانی حالات، حسب و نسب، ولادت، عہد طفلی، عہد شباب، عہد پیری، تعلیم و تعلم، اصلاح و تربیت، سیاحت و ملازمت، عملی و اخلاقی توازن، ادبی و علمی مشاغل اور سفر آخرت کے حالات و واقعات کو قلم بند کیا ہے۔ گویا اس میں اُن کی پیدائش سے وصال تک کے حالات درج ہیں۔

علامہ موصوف نے اس کتاب کا انتساب اپنے مورث اعلیٰ حضرت علامہ و مولانا برہان الدین شمس معروف مظفر بلخی رحمت اللہ علیہ کے نام کیا ہے۔یہ مظفر بلخی رحمت اللہ علیہ وہی ہیں جو ''مخدوم جہاں حضرت مخدوم الملک شرف الدین بہاری رحمت اللہ علیہ کے چہیتے لاڈلے مُرید و خلیفہ تھے۔یہ اپنے پیر و مُرشد کی خدمت میں عرصہ دراز تک رہے۔اور نگاہ شیخ کی برکت سے درجہ ولایت پر فائز ہوئے۔ بحکم پیر و مُرشد آخری ایام میں عدن تشریف لے گئے' اور سن ۷۸۸ھ میں وہیں وصال فرمایا۔ مزار مقدس عدن میں ہے۔جو فیض بخش عام ہے۔

کتاب ہذا کا مقدمہ ''راقم الحروف'' کی جانب سے ہے۔اور اظہار تشکر خود مصنف کی طرف سے۔اس کے بعد تمہیدی طور پر ابتدائیہ مضمون شروع ہوتا ہے۔کتاب کا اصل مضمون ''خاندانی حالات'' سے آغاز کیا جاتا ہے۔اور۔''زندگی کی شام اور آخری ایام'' پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔

علامہ موصوف نے واقعہ نگاری کے ساتھ ساتھ اپنے والد بزرگوار کی اُن سندوں کو بھی توثیق کے طور پر پیش کیا ہے۔جہاں جہاں وہ سندیں اُنھیں دستیاب ہوئیں

تھیں۔ قارین کرام کو بوقت مطالعہ جا بجا اس کا ثبوت ملے گا۔ پھر علامہ موصوف نے اپنے والد بزرگوار کے زائچہ پیدائش کی نقل بھی اس کتاب میں پیش کر دی ہے۔ جس کے ذریعہ تاریخ پیدائش کی تفصیل مل جاتی ہے۔ علامہ موصوف کے والد بزرگوار کو دینی و عصری علوم کے ساتھ ساتھ علم ہئیت و علم نجوم سے بھی اچھی خاصی واقفیت تھی جیسا کہ اس کتاب میں علامہ نے خود ہی اس کی تشریح کی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ علامہ موصوف نے اپنے والد بزرگوار کی سوانح حیات لکھ کر اُن کے حیات اور کارناموں کو زندہ ہی نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس کتاب کے ذریعہ خود کو زندۂ جاوید بنالیا ہے۔ کہ جب تک یہ صفحہء قرطاس پر موجود رہے گی دونوں کی حیات کو بطور واقعات روشن و تابناک کرتی رہے گی۔ اور سوانح نگاری کا اصل فائدہ بھی یہی ہے کہ مادح اور ممدوح دونوں کے حیات و کارنامے واقعتاً محفوظ ہو جاتے ہیں۔

"دل چسپ کہانی اُن کی" کیا ہے سچ پوچھیے تو یہ علامہ الحاج نادمؔ بلخی صاحب کی ادبی پونجی ہے جس میں اُنہوں نے اپنی نثر نگاری کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ باوجود اس کے زبان کو نہایت سادہ اور سلیس رکھا ہے۔ نامانوس اور متروک الفاظ کے استعمال سے اسے صاف سُتھرا رکھا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ علامہ کی دیگر کتابوں کی طرح یہ بھی خراج تحسین حاصل کرے گی۔ اور مقبولیت کا رُتبہ پائے گی۔ خدا کرے اُمید سے زیادہ کامیابی نصیب ہو۔ (آمین)

صابرؔ قادری رزاقی

داؤد نگری

۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۱.۲.۲۰۰۰ء

میں شکر گزار ہوں :

☆ حضرت سیّد **شاہ حماد احمد قادری** متخلص بہ صابر کا جن کے ادارے سے یہ کتاب شائع ہو رہی ہے **اور پھر اُن کی مقدمہ نگاری کا۔**

☆ **علامہ شارق جمال ناگپوری** اور جناب **وقار حلم سید نگلوی** کا جنہوں نے اس کتاب کے لئے قطعات تاریخ طبع از راہ خلوص عنایت کئے۔

☆ **ڈاکٹر سید حسن عباس** (شعبہ اردو جی۔ ال۔ اے کالج ڈالٹین گنج) کا جنہوں نے نہ صرف پروف رِڈنگ کی بلکہ اس کتاب سے متعلق چند مفید مشوروں سے بھی نوازا۔

☆ ڈاکٹر **سید مظفر بلخی** اور عزیزی **ایم۔ جے۔ اظہر** کا جنہوں نے مسودے کی ترتیب میں میری اور پروف ریڈینگ میں ڈاکٹر سید حسن عباس صاحب **کی مدد کی۔**

نادم بلخی

۹۴۔ اآکنڈ محلہ۔ ڈالٹین گنج (پلاموں)

۸۲۲۱۰۱ (جھارکھنڈ)

ابتدائیہ

حقائق جب افسانے کا روپ دھار لیتے ہیں تو افسانوں سے زیادہ دلچسپ بن جاتے ہیں۔ خصوصاً ایسے حقائق جو کسی صاحبِ کمال سے تعلق رکھنے والے پر گداز حالات زندگی کی کتاب کے اوراق پریشاں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اوراق پریشاں کو ترتیب دینا ایک مشکل کام ضرور ہے۔ خاص طور پر اس کے لئے جو تازہ ترین حادثہ عظیم سے دوچار ہو کر مجسم ایک تصویر الم بن گیا ہو۔ لیکن دوستوں، بزرگوں کا تقاضہ اور اسکے علاوہ خصوصی طور پر اپنا فرض احساس دلاتا ہے تو مجبوراً قلم کا سہارا لینا ہی پڑتا ہے۔ کاش اس کشتہء غم و آلام کے زخم جگر کا یہی مرہم بن جائے اور اس بہانے بیقرار دل کو سکون حاصل ہو سکے۔

والد مُحترم حضرت فصیح الدین بلخی مرحوم کسی تعارف کے محتاج نہیں لیکن ان کے دلچسپ حالات زندگی محتاج تعارف ضرور ہیں۔ اس لئے کہ ان سے حد درجہ قربت رکھنے والے چند اہل قلم حضرات بھی پورے طور پر ان کی زندگی سے متعلق معلومات نہیں رکھتے۔ چند دن قبل میں اپنے شفیق بزرگ اور مرحوم کے قریبی دوست محترم پروفیسر سید حسن عسکری کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ مرحوم کی ذہانت، صلاحیت اور علمیت کا ذکر میرے شفیق بزرگ کر رہے تھے، میں نے دوران گفتگو یہ عرض کیا کہ مرحوم علم نجوم کے بھی اچھے واقف کار تھے۔ عسکری صاحب یہ سن کر تعجب کرنے لگے۔ اُنہوں نے فرمایا "حیرت کی بات ہے مجھے یہ آج تک معلوم نہیں تھا۔ انہوں نے واقعی اپنے بہت سارے علوم کو چھپا کر رکھا۔" بات بھی دراصل یہی ہے ملنے جلنے والے تو ہر وقت ان کے ساتھ نہیں رہتے تھے انھوں نے عہد ماضی سے تعلق رکھنے والی اپنی دلچسپ زندگی کا باب اپنی ذات سے حد درجہ قربت رکھنے والوں کے سامنے بھی کھول کر نہیں رکھا۔ اسکی وجہ اسکے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ ہوشمند انسان اپنی زندگی کے اسی پہلو کو دوسروں پر بھی واضح کرتا ہے جو اس کے پیش نظر رہتا ہے اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے ہنر سے زیادہ اپنے عیب کو پیش نظر رکھتے تھے۔ جیسا کہ

انہوں نے خود کہا ہے کہ ۔

دعویٰ سخن کا ہم کو گوارہ نہیں فصیحؔ
پیشِ نظر ہو عیب جو عرضِ ہنر کریں

ماہنامہ ''صنم'' پٹنہ (مئی ۱۹۶۲ء) میں بنام مدیر گئے سار کا مجموعہ نظام مرحوم کی سوانح حیات اور ادبی، علمی کارناموں کا صرف ایک مختصر خاکہ پیش کر سکا ہے مدیر مذکور نے راقم سے مقدس ہستی مرحوم سے متعلق ایک مقالہ سپرد قلم کرنے کی فرمائش کی تھی لیکن عدیم الفرصتی کے سبب میں اس وقت یہ کام انجام نہیں دے سکا اس کے علاوہ مختصر مقالہ میں طویل داستان زندگی کو قلم بند کرنا ایک مشکل کام تھا۔ چنانچہ میں نے مدیر مذکور کی فرمائش (صرف شائع شدہ) مکتوب کے ذریعے پوری کردی تھی۔ اس مکتوب میں صرف چند ضروری باتیں مختصر طور پر پیش کی گئی تھیں۔ لہٰذا میں سطور ذیل میں خاندانی حالات، پیدائش، عہدِ طفلی، عہد شباب، عہد پیری، تعلیم، ملازمت، سفر، ادبی و علمی مشاغل اور سفر آخرت تک کے حالات کو قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں کہ کتاب کی تالیف کا آغاز آج سے تقریباً تیس چالیس سال قبل یعنی ۱۹۶۲ء کے بعد جس سنہ میں والد نے وفات پائی اس سلسلے میں گھریلو کاغذات کی چھان بین اور اپنے منجھلے چچا جناب نظام الدین بلخی مرحوم سے والد مرحوم کے حالات دریافت کرکے جس قدر مستند معلومات فراہم کر سکتا تھا، کرنے کی کوشش کی۔ لیکن بدقسمتی کہیئے کہ یہ مسودہ آج تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکا تھا اس درمیان میرے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر مظفر بلخی نے والد مرحوم کی حیات اور علمی ادبی کارناموں پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کرلی اور

مذکورہ تحقیقی مقالہ ۱۹۸۸ء میں شائع بھی ہو گیا

رسالہ کو کل ڈالٹین گنج کا میں نے فصیح الدین بلخی نمبر شائع کرانے کا اعلان کیا تو اس وقت کے مشاہیر اہل قلم نے اپنی گرانقدر تخلیقات اور مضامین ارسال کئے مگر بدقسمتی یہاں بھی شامل رہی کہ وہ نمبر بھی معرض وجود میں نہ آسکا۔ لیکن جب ڈاکٹر سید حسن عباس صاحب کی تقرری جی۔ اے۔ کالج ڈالٹین گنج کے شعبۂ اردو میں بحیثیت لکچر رہوئی تو انہوں نے اپنے رسالہ ادراک کی تجدید اشاعت کا ارادہ ظاہر کیا اور مجھ سے مرحوم فصیح الدین بلخی پر ان ہی مقالات پر مشتمل ایک خاص اشاعت کا پروگرام بنایا خوش قسمتی کہیئے کہ بعد ہٗ مختار الدین احمد آرزو، ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی، پروفیسر شکیل الرحمن، برادرم ناصر زیدی اور دیگر اہل قلم سے انہوں نے خود درخواستیں کرکے وقیع مقالات لکھوائے جو ادراک کے فصیح الدین بلخی نمبر میں شامل ہیں۔

حضرت سید شاہ حماد احمد قادری رزاقی صاحب کا میں بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اس قدیم مسودے کی اشاعت کی سبیل نکالی لہٰذا اب یہ کتاب موصوف کی علم دوستی اور بلخی نوازی کے سبب آپ کے ہاتھوں میں پہونچ رہی ہے۔

خاندانی حالات : خاندانی حالات کا جہاں تک تعلق ہے میں بذریعہ ماہنامہ "صنم" قارئین کو آگاہ کر چکا ہوں کہ سلسلہ نسب نسل در نسل حضرت علی کرم اللہ وجہ سے جاکر ملتا ہے۔ مرحوم کے ترتیب شدہ نسب نامہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جس وقت بلخیوں کی آمد ہندوستان میں ہوئی تعلق خاندان کی اس ملک میں حکومت تھی۔ مرحوم نے آثار بلخیہ (غیر مطبوعہ) میں یوں تحریر فرمایا ہے۔ "یہ صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ابراہیم ادہم بلخی کی اولاد کب ہندوستان آئی۔ طبقات ناصری کا مولف قاضی منہاج الدین سراج صفحہ ۲۴۶ تمر خان اور طغیان خان حکام بنگالہ کے مرنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بلخ کے بعض ذی علم اور ذی اثر لوگ ساتویں صدی ہجری میں وارد ہندوستان تھے" تاریخ فیروز شاہی کا مورخ سلطان غیاث الدین بلبن کا حال لکھتے ہوئے مولانا برہان الدین[1] بلخی کا ذکر کرتا ہے۔ یہ ثابت تو ضرور ہو جاتا ہے کہ سلطان بلبن کے عہد کے عہد میں بلخ کے ذی رتبہ لوگ دہلی میں موجود تھے لیکن ان کا نسبی حال چونکہ نہیں لکھا ہوا ہے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ان کو ہم بلخیوں سے کوئی تعلق تھا یا نہیں۔ مرحوم کے پاس جو نسب نامہ ہے اس میں مولانا مظفر بلخی کے اوپر صرف ایک ہی نام درج ہے۔ لہٰذا ان میں سے جس کی ایک سے زیادہ اولاد ہوگی اس کے بارے میں کچھ کہنا سر دست مشکل ہے۔ اس لئے کہ نسب نامہ نسل در نسل چلا آرہا تھا اور اس کے درست ہونے کی مزید سند کے لئے جہاں جہاں انہوں نے چھان بین کی تھی اس کو ادھر ادھر اپنی کاپیوں اور نوٹ بک پر قلم بند رکھ چھوڑا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل کتابوں سے مواد فراہم کر کے نسب نامہ کے درست ہونے کی انہوں نے تشفی کر لی تھی۔

خاندانی حالات کے ماخذ

(۱) فوائد المریدین و ملفوظات حضرت مخدوم آموئی و مخدوم شعیبؒ

(۲) رسالہ مولفہ حضرت شاہ عبد اللہ المعروف بہ اسم محمد

(۳) کتاب واقعات دار الحکومت دہلی مولفہ مولوی بشیر الدین احمد دہلوی

۱۔ تاریخ فیروز شاہی صفحہ نمبر ۴۶۰ بحوالہ آثار بلخیہ (غیر مطبوعہ)

(۴) تاریخ فیروز شاہی مولفہ ضیاءالدین برنی

(۵) طبقات ناصری مولفہ قاضی منہاج الدین سراج

(۶) کتاب الاغانی از ابوالفرح علی بن الحسن (متوفی ۳۵۶ھ)

(۷) تاریخ کبیر

(۸) طرائق حقائق از معصوم علی شاہ شیرازی مطبوعہ ۱۳۱۸ھ

(۹) ربیع الامراء از زمخشری

(۱۰) تاریخ کامل از ابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ

(۱۱) تلخیص الآثار

(۱۲) تاریخ گزیدہ

(۱۳) مجالس المومنین از سید نور اللہ...... سوشتری، مطبوعہ

(۱۴) ریاض السیاحت

(۱۵) نفحات الانس از ملا عبدالرحمٰن جامی

(۱۶) وسیلہ شرف مولفہ سید شاہ فرزند علی (اسمیں ص ۵۹ میں سلسلہء نسب کو امام زین العابدین تک پہنچایا ہے)

(۱۷) تذکرہ الکرام:- اسمیں ص ۴۲۱ میں لکھا ہے کہ سلطان ابراہیم ابن ادہم بلخی کا سلسلہ نسب چھٹے واسطے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

اسکے علاوہ مندرجہ ذیل کتابوں سے بھی بلخیوں کے خاندان کا اندازہ ہوتا ہے اور مرحوم نے ان سے بھی استفادہ کر کے نسب نامہ کی تکمیل کی ہے۔

۱ آثار شرف مولفہ خان بہادر قاضی نورالحسن شیر گھاٹوی

۲ سیرت الشرف مولفہ خان بہادر مولوی سید ضمیر الدین احمد عظیم آبادی

۳ کنزالانساب مولفہ مولوی کریم الدین بہاری

نسب نامہ کی تکمیل میں یقین ہے کہ مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ بھی دیگر کتابوں کو مرحوم نے زیر مطالعہ رکھا ہوگا لیکن راقم کے لئے سردست یہ بتانا مشکل ہے۔ بہر کیف خاندان بلخیہ کا مختصراً ذکر کرنے کے بعد یہ ضروری ہے کہ نسب نامہ بھی درج کیا جائے۔ لہذا ذیل میں سلسلہء نسب نسل

در نسل ظاہر کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے پدری سلسلہ نسب درج کیا جاتا ہے جو مکمل ہے۔ اس کے بعد مادری سلسلہ نسب بھی پیش کیا جائے گا جسے ایک حد تک مکمل کہا جا سکتا ہے اسلئے کہ سلسلہ نسل در نسل مرحوم کی والدہ مرحومہ بی بی ہاجرہ سے شروع ہو کر ملا عبدالشکور ابن ملا رکن الدین از اولاد حضرت تاج فقیہ تک جاتا ہے۔ المختصر سب سے پہلے پدری نسب نامہ ملاحظہ ہو۔

نسب نامہ پدری

حضرت عبد مناف

↓

حضرت ہاشم

↓

حضرت عبدالمطلب

↓

حضرت ابو طالب

(یعنی رسول اللہ ﷺ کے والد عبداللہ کے بھائی)

↓

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہ

↓

سیدنا امام حسینؓ

↓

سیدنا امام زین العابدینؓ

↓

سیدنا امام علی اصغرؒ

(کہ نامش امام زید بود)

↓

سیدنا امام قاسمؒ

↓

امیر سید محمد رضی اللہ عنہ

↓

امیر سید زید رضی اللہ عنہ

↓

امیر سید اسحاق رضی اللہ عنہ

↓

امیر سید احمد رضی اللہ عنہ

↓

امیر سید یعقوب رضی اللہ عنہ

↓

امیر [illegible] رضی اللہ عنہ

↓

امیر ناصر الدین رضی اللہ عنہ

↓

امیر سلیمان رضی اللہ عنہ

↓

سیدنا سلطان ابراہیم ادہم بلخی قدس سرہ

سیدنا سلطان محمود بلخی قدس سرہ

سیدنا سلطان سراج الدین بلخی قدس سرہ

سیدنا حمید بلخی قدس سرہ

سیدنا شمس الدین بلخی قدس سرہ

(در زمان سلطان محمد تغلق بہ ہند در ایوان شاہی پیوستند)

حضرت مولانا برہان الدین شمس | مولانا سید قمر الدین | مولانا سید معز بلخی قدس سرہ

(خلیفہ حضرت مخدوم احمد چرم پوش) مظفر بلخی قدس سرہ

۱ ۲ ۳

(خلیفہ حضرت مخدوم الملک شرف الدین بہاری قدس سرہ در ۷۸۸ھ در عدن رحلت فرمود)

حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی

(سجادہ نشین و جانشین حضرت مخدوم الملک شرف الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ - سن وفات ۸۴۴ھ بتاریخ ۲۴ ذی الحجہ روز سہ شنبہ وقت ظہر - مزار شریف در بہار شریف)

مخدوم حسن بلخی فردوسی قدس سرہ

(در ۸۵۵ھ رحلت کردند مزار شریف در بہار شریف است)

مخدوم احمد معروف بہ لنگر دریا بلخی قدس سرہ

(مزار شریف در بہار است)

مخدوم ابراہیم المعروف با سلطان بلخی قدس سرہ

مخدوم شاہین بلخی قدس سرہ

مخدوم ابراہیم بلخی قدس سرہ

مخدوم جنید بلخی فردوسی قدس سرہ

حضرت دیوان سید معین الدین بلخی قدس سرہٗ

↓

حضرت دیوان معمور شاہ بلخی قدس سرہٗ
(از شہنشاہ فرخ سید جاگیر یافت)

↓

حضرت فخر الاسلام بلخی قدس سرہٗ

↓

مخدوم سید شاہ فہیم اللہ بلخی قدس سرہٗ

↓

قاضی سید طہارت التوحید بلخی قدس سرہٗ

↓

سید واجد بلخی منصف (حضرت فصیح الدین بلخی مرحوم کے دادا)

↓

مولوی ڈاکٹر سید غیاث الدین بلخی

↓

مولوی فصیح الدین بلخی

→

ابراہیم بلخی (نادم بلخی)۔(بی بی وجیہ انساء سید رحیم الدین احمد ہم زلف فصیح الدین بلخی
مظفر بلخی ، حیدر بلخی ، مصطفےٰ بلخی ، آمنہ بلخی

پدری سلسلۂ نسب جو اوپر درج کیا گیا ہے میں نے خاندان بلخیہ کے مکمل نسب نامہ سے نقل کرنے کے بعد مرحوم کی نوٹ بک میں درج سلسلۂ پدری سے ملا لیا ہے اسکے علاوہ مرحوم کے بڑے بھائی حضرت حفیظ الدین بلخی کے لوح مزار کے لئے جو مرحوم نے قطعہ تاریخ کہا تھا اسے بھی ایک نوٹ بک میں رکھ چھوڑا ہے۔اس سے میں نے ملا کر اپنی تشفی کر لی ہے۔لہذا مذکورہ بالا سلسلۂ نسب کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں باقی رہتا۔

ذیل میں مادری سلسلۂ نسب درج کیا جاتا ہے جس کی بھی صحت میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی اس لئے کہ راقم نے اس سلسلے میں اپنے شفیق بزرگ مولانا سید عبدالرؤف ندوی صاحب اورنگ آبادی سے بھی بذریعہ خط دریافت کر کے اپنی تشفی کرلی ہے۔

آپکا نسب نامہ

تذکرۃالکرام میں یوں لکھا ہے:"...... محمد تاج ضعفہ مکّی بن امام ابی بکر بن امام ابی الفتح بن امام ابی قاسم بن امام ابی امام ابی الصائم بن امام ابی البیّت بن امام ابی رمہ بن امام ابی الدین بن امام مسعود بن امام ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن امام زبیر بن امام ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام زبیر بن امام عبدالمطلب بن امام ہاشم"

(بحوالہ تذکرۂ صادقہ ہوءلفہ عبدالرحیم زبیر الہاشمی رحمتہ اللہ علیہ۔ ص ۱۶ تا ص ۱۷)

نسب نامہ مادری :

مادری سلسلہ نسب حضرت فصیح الدین بلخی

ملا رکن الدین منیری رحمتہ اللہ علیہ

(ازاولاد حضرت تاج فقیہ درقصبہ منیر شریف) ۱

↓

ملا عبدالشکور رحمتہ اللہ علیہ

↓

ملا عبدالحلیم رحمتہ اللہ علیہ

↓

ملا عبدالرقیب رحمتہ اللہ علیہ

↓

ملا غلام شرف یحییٰ رحمتہ اللہ علیہ

↓

قاضی کمال الحق رحمتہ اللہ علیہ

↓

قاضی امین واثق رحمتہ اللہ علیہ

↓

قاضی واعظ واثق رحمتہ اللہ علیہ

↓ ↓

مولوی سید عبد الحق بی بی مدینہ (زوجہ امیر الدین بلخی جن کا مزار حاجی پور میں ہے)

↓

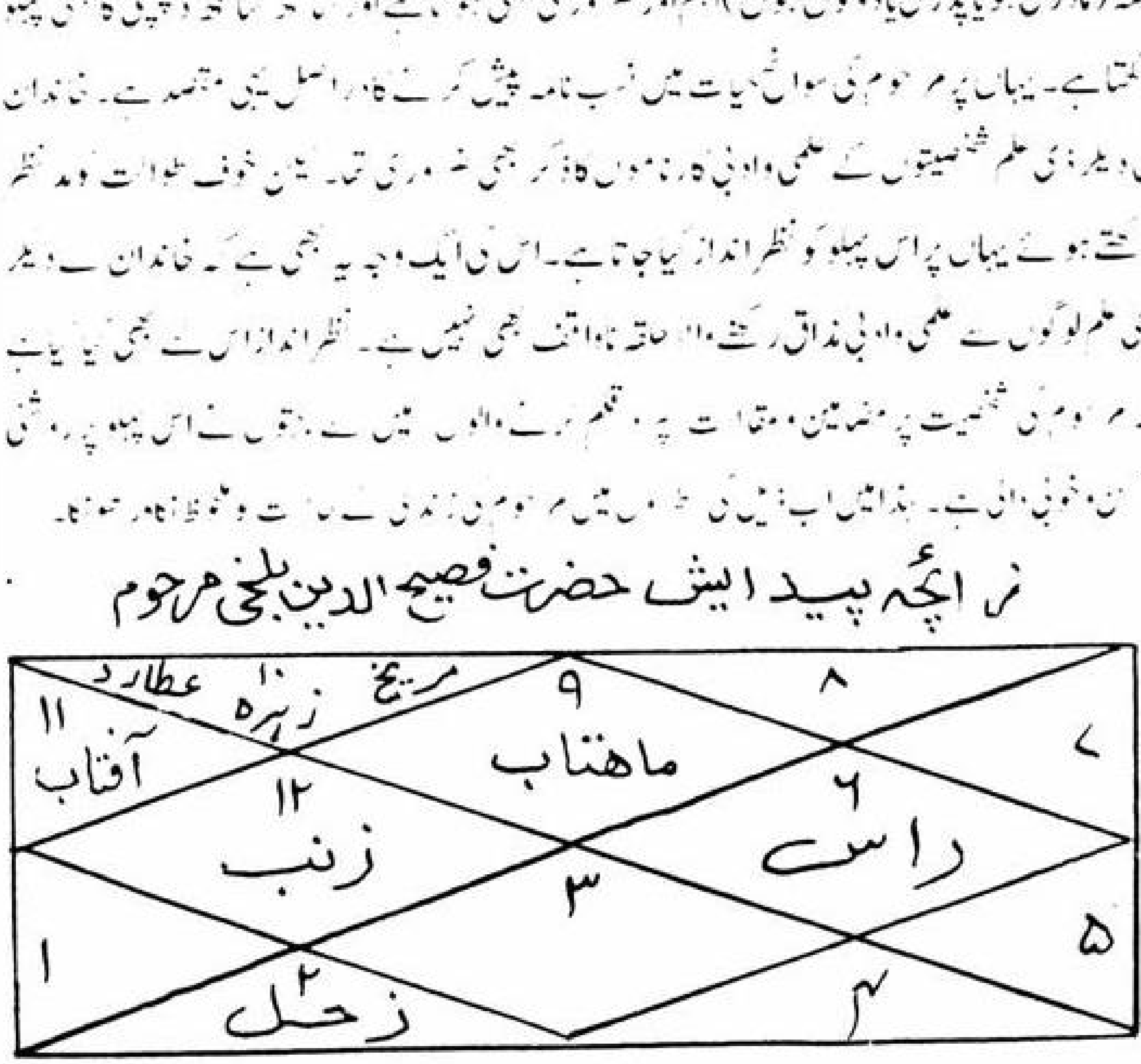
بی بی ہاجرہ اہلیہ داتا غیاث الدین بلخی رحمتہ اللہ علیہ

↓

حضرت فصیح الدین بلخی

کسی بھی ذی علم شخص کی سوانح حیات کی ترتیب میں منطقی نقطہ نظر سے خاندان کا نسب نامہ (مادری ہو یا پدری یا دونوں ہوں) اہم اور ضروری بھی ہوتا ہے اور ساتھ ہی دلچسپی کا بھی پہلو رکھتا ہے۔ یہاں پر مرحوم کی سوانح حیات میں نسب نامہ پیش کرنے کا اصل یہی مقصد ہے۔ خاندان کی دیگر ذی علم شخصیتوں کے علمی و ادبی کارناموں کا ذکر بھی ضروری تھا۔ لیکن خوف طوالت کو مد نظر رکھتے ہوئے یہاں پر اس پہلو کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خاندان کے دیگر ذی علم لوگوں سے علمی و ادبی مذاق رکھنے والا حلقہ ناواقف بھی نہیں ہے۔ نظر انداز اس لئے بھی کیا ہے کہ مرحوم کی شخصیت پر مضامین و مقالات پیش و قلم کرنے والوں میں سے بعضوں نے اس پہلو پر روشنی کافی خوبی سے ڈالی ہے۔ لہٰذا ہمیں اب ذیل کی خاص میں مرحوم کی زندگی کے حالات و کوائف ظاہر ہوتے ہیں۔

زائچہ پیدائش حضرت فصیح الدین بلخی مرحوم



پیدائش: مرحوم کی پیدائش ۱۸۸۵ء کی ہے۔ سن کے صحیح اور درست ہونے کے لئے میں تین ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔ انتقال کے ایک سال قبل جبکہ راقم کے مجموعہ کلام "آغاز سحر" کا مقدمہ حضرت مجبور شمسی سپرد قلم فرما رہے تھے تو انہوں نے خود مرحوم سے سنہ پیدائش کے بارے میں دریافت کیا چنانچہ ان کے کہنے کے مطابق حضرت مجبور نے ویسا ہی یعنی ۱۸۸۵ء درج کیا۔ مرحوم کے انتقال کے بعد مجھے اس سلسلہ میں مزید معلومات کی جستجو ہوئی۔ چنانچہ میں نے حضرت نظام الدین بلخی کے پاس جا کر دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ "میری پیدائش ۱۸۸۲ء کی ہے اور مجھ سے فی سن مرحوم تین برس چھوٹے تھے۔ میں اس ضمن میں مزید تحقیق چاہتا تھا۔ چنانچہ اس کی بھی صورت نکل آئی ان کی چھوڑی ہوئی جائیداد میں جو کچھ بھی کاغذات اور کتابیں ہیں ان میں تلاش و جستجو کے وقت مجھے ان کی ایک چھوٹی سی نوٹ بک ملی جس میں اپنے علاوہ اپنے خاندان والوں، اپنے دوستوں اور اپنے عزیزوں کی جنم کنڈلیاں بنا کر رکھ چھوڑی تھیں۔ مرحوم کے زائچہ پیدائش سے سنہ اور تاریخ پیدائش کی تعیین ہو جاتی ہے۔ اس کے مطابق ۱۰ فروری ۱۸۸۵ء مطابق پھاگن بدی ۱۹۱۰ سمبت موافق ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۰۲ھ بروز سہ شنبہ بوقت تین بجے شب پیدا ہوئے۔ زائچہ پیدائش آگے کی سطروں میں درج کیا **گیا** ۔ جبکہ ایک دلچسپ اور پنہاں حقیقت کا انکشاف کیا جائے گا جو مرحوم کی ایک بیش بہا علمیت سے متعلق ہے۔ وہ علم جس سے مرحوم اچھی خاصی واقفیت رکھتے تھے۔ لیکن کبھی اپنی اس علمی صلاحیت کو پردۂ خفا سے منظر عام پر نہیں لائے۔ مرحوم اپنے خاندان میں اس علم کے جاننے والے واحد فرد رہ گئے تھے۔ افسوس کسی نے بھی اس ضمن میں ان سے استفادہ نہیں کیا اور وہ اس علم کو اپنے ساتھ ہی لیتے گئے۔

عہد طفلی: مرحوم کا عہد طفلی بھی بقول ایک بزرگ نہایت دلچسپ اس اعتبار سے تھا کہ بہت سارے ایسے پہلو جو فطرت طفلاں کے اہم اجزائی حیثیت رکھتے ہیں ان سے مرحوم کا بچپن مبرا تھا۔ عمومی طور پر بچے کھیل تماشوں سے خاص طور پر دلچسپی لیتے ہیں۔ کھیل کود میں ان کا زیادہ وقت صرف ہوتا ہے پڑھانے کیلئے مولوی صاحب کی آمد ان کیلئے آمد عزرائیل سے کم نہیں ہوتی۔ شرارت انگ انگ میں رچی بسی ہوتی ہے۔ اپنے سے چھوٹے اور کمزور بچوں کے آگے رستم زماں اور اپنے سے طاقتور کے آگے بھیگی بلی بنے رہنا عمومی طور پر فطرت طفلاں میں داخل ہے۔ لیکن بقول حضرت نظام الدین بلخی ان کی فطرت عہد طفلی میں مذکورہ بالا باتوں کے بالکل برعکس تھی۔ وہ بچپن میں بھی حد

درجہ متین، سنجیدہ، صلح کل اور تنہائی پسند تھے۔ کھیل کود سیر تماشے سے انہیں برائے نام دلچسپی تھی۔ بچوں کی ٹولی سے علیحدہ رہتے اور بزرگوں کی مجلس میں خاموش رہکر علم و ادب کی باتوں کو بغور سنا کرتے۔ یہ حقیقت ہے کہ بزرگوں کی علمی وادبی باتیں ان کی سمجھ میں بہت کم آتی ہونگی۔ لیکن ان کا جی ایسی ہی سوسائٹی میں بہت زیادہ لگتا۔ سادہ مزاج بچپن ہی سے تھے۔ جیسا کی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ کھیل کود، سیر تماشے سے کوئی خاص دلچسپی مرحوم کو بچپن میں نہ تھی۔ عمومی طور پر ایسی جگہوں سے جہاں بھیڑ بھاڑ اور ہجوم ہو وہ گریز کرتے تھے۔ اگر کسی میلہ یا جلوس سے بزرگوں یا ہمسنوں کے ساتھ گذرنے کا موقع ملا تو ان کی ہر ممکن کوشش یہ ہوتی تھی کہ ایسی بھیڑ سے جہاں کھوا سے کھوا چھلتا ہو جلد نجات ملے۔ ان کی یہ خصلت ایک بار والدین کیلئے پریشانی کا باعث بھی ہوئی۔

محرم میں کھو جانے کا حال:- اپنے منجھلے بھائی حضرت نظام الدین بلخی کے اصرار پر ایک بار محرم کے موقعہ پر تعزیہ اور سپر دیکھنے میں ان کا ساتھ دیا۔ اس وقت مرحوم کی عمر لگ بھگ چھ سال کی ہوگی۔ منجھلے بھائی جلوس کے ہجوم میں مرحوم کی انگلی تھامے ہوئے رہنمائی فرما رہے تھے۔ ان دنوں پٹنہ کا محرم لکھنو کے بعد سارے ہندوستان میں مشہور تھا۔ ہندو مسلمان سب ہی فراخدلی کے ساتھ تعزیے اور سپر کے جلوس میں حصہ لیتے تھے۔ منجھلے بھائی کو چھوٹے بھائی کی حفاظت کا پورا خیال تھا لیکن شہر کے لوگوں کی اکثریت شاہراہ پر جلوس دیکھنے کیلئے ٹوٹ پڑی تھی۔ ہجوم متلاطم دریا کی طرح موجیں مار رہا تھا۔ منجھلا بھائی جو چھوٹے بھائی سے عمر میں صرف تین سال بڑا تھا۔ ہجوم کی تاب نہ لا سکا اور اس درمیان چھوٹے بھائی کی انگلی چھوٹ گئی۔ انگلی کا چھوٹنا تھا کہ ایک بھائی دوسرے سے جدا ہو گیا۔ منجھلے بھائی نے سارے ہجوم کے درمیان چھوٹے بھائی کو تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن اس کے سوا کوئی دوسرا چارہ نہیں رہا کہ بیچارہ روتا دھوتا گھر واپس آیا۔ منجھلے بھائی کا گھر میں واپس آنا تھا کہ اندر باہر تمام کھلبلی مچ گئی۔ سارے شہر میں اہلکارے چھوڑے گئے لیکن بچے کا پتہ کوئی بھی نہ لگا سکا۔

اب سُنئے چھوٹے بھائی کا حال:- لگ بھگ چھ سال کا بچہ، شاہراہ پر ہجوم یہ کہتا کہ میرے ساتھ ہچکولے کھاتے رہو۔ بیچارا پریشان پریشان۔ بمشکل ایک بوسیدہ مکان کی دہلیز سے جا لگا۔ ہکا بکا کھڑا تھا کوئی اپنا جانا پہچانا نظر نہیں آتا۔ اتفاق کہیے کہ چھٹن بائی [1] کے ملازم کی نظر روتے

---

[1] شہر کی ذی علم اور علم دوست طوائف

ہوئے بچے سے جاکر ٹکرائی۔ ملازم نے فوراً پہچان لیا۔ "ارے یہ تو فصو بابو کھڑے ہیں۔ جنکے والد محترم جناب ڈاکٹر غیاث الدین بلخی ۱؎ کے یہاں بائی جی علم نجوم کا سبق لینے کیلئے جایا کرتی ہیں"

ملازم اپنے فصو بابو کو ساتھ لیتا ہوا بائی جی کے پاس آیا۔ بائی جی نے سب سے پہلے بچے کا منہ ہاتھ دھلا کر اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں لیکن بچے نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ بائی جی نے تھوڑی دیر کے بعد اپنی فٹن پر ایک ٹوکرا مٹھائی کے ساتھ بچے کو والدین کے پاس بھجوادیا ڈاکٹر صاحب کے نام ایک خط تھا جس میں بچے کے مل جانے پر والدین کو مبارکباد کا تحفہ پیش کیا گیا تھا۔ مکان پر جب تھوڑی دیر کے بعد بچے کی جیب ٹٹولی گئی تو اس میں کچھ روپے بھی ملے۔ یہ بھی بائی جی کا بچے کو عطیہ تھا۔ والدین سخت نادم تھے کہ بائی جی کا مفت میں احسان ان کے سر آگیا۔ ڈاکٹر صاحب اس بار احسان سے سبکدوش ہونیکی فکر میں غلطاں رہے۔ مہینوں گذر گئے۔ اتفاق کہئے کہ بائی جی کے پوس پالک کی شادی کا موقع آیا۔ ڈاکٹر صاحب تاک میں لگے ہی تھے۔ فوراً دوڑے، سنار کی دوکان پر گئے۔ اور وہاں سے کچھ زیورات خرید کر سیدھے بائی جی کے مکان پر گئے۔ دیکھنے والے حیران تھے کہ آج ڈاکٹر صاحب کو کیا ہو گیا ہے۔ بائی جی کا مکان اور ڈاکٹر صاحب!! بائی جی انہیں دیکھ کر حیران تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کے یہاں وہ جاتی ضرور تھیں لیکن اپنے یہاں انہیں مدعو کرنے کی ہمت کبھی نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے پہنچتے ہی بائی جی سے شکوہ شکایت شروع کردی۔ "اپنے بچے کی شادی کے موقع پر آپ نے مجھے نظر انداز کر دیا اسکی مجھے رنجیدگی ہے بہر حال اپنی بہو کے لئے یہ تحفہ قبول کیجئے۔"

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے مرحوم کو عہد طفلی میں کھیل کود سے کوئی خاص رغبت نہ تھی لیکن بڑے بھائیوں کی دلداری کا بہت خیال رہتا تھا۔ چنانچہ ان کو، انکے کھلونوں کی، انکی پالی ہوئی مرغیوں اور کبوتروں کی حفاظت کا صد درجہ خیال رہتا تھا۔

۱؎ مرحوم کے والد ڈاکٹر غیاث الدین بلخی مرحوم اپنے وقت کے مشہور ماہر علم نجوم تھے۔ علم نجوم پر انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی تھی جو صادق پور میں عبد الغفار صاحب مرحوم کے بھائی کے مکان میں موجود ہے۔ مولوی غفار صاحب کے انتقال کو چند سال ہوئے۔ ان کے بڑے صاحبزادے سے راقم نے اس کتاب کے بارے میں دریافت کیا۔ انھوں نے کہا کہ میرے پاس موجود ہے۔ لیکن پرانی کتابوں کے درمیان کہیں رکھی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر غیاث الدین بلخی مرحوم کے بارے میں مشہور ہے کہ بنارس کے پنڈت ان سے علم نجوم پر تبادلہ خیال کرنے کے لئے آتے تھے۔ ڈاکٹر غیاث الدین بلخی مرحوم ایک ناول "طرز معاشرت" اور ایک کتاب علاج ہیضہ کے بھی مصنف تھے۔

بچپن کی مرغوب غذا:- مرحوم کو بچپن میں کھانے کی اچھی چیزوں کی طرف بہت کم رغبت تھی۔ عمومی طور پر چنے کا ستو، گھی اور بھورا بہت پسند کرتے تھے۔ میٹھی چیزوں کی طرف بہ نسبت نمکین چیزوں کے زیادہ رغبت تھی لیکن اچھی کھانے کی چیزیں دستر خوان پر ہوں اور چنے کا ستو، گھی اور بھورا ہو تو ستو کو دوسری چیزوں پر ترجیح دیتے تھے۔ والدین ان کے لئے گھی اور بھورا کا خاص انتظام رکھتے تھے ورنہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دن بھر مرحوم بھوکے رہ جاتے تھے۔ مرغوب چیزوں کے نہ ہونے کے سبب اور کم سخن ہونے کے نتیجے میں کوئی احتجاج تو نہیں کرتے تھے لیکن والدین کو احساس ہو جاتا تھا کہ مرغوب چیزوں کی عدم موجودگی میں مزاج بھو برہم ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ کا ایک واقعہ مرحوم نے خود مجھ سے بیان کیا تھا جسے دلچسپ ہونے کے سبب یہاں مختصراً درج کیا جاتا ہے۔

مرحوم کی نانی اماں اپنی کسی منہ بولی بہن سے ملنے جا رہی تھیں۔ کہار ڈولی لیکر حکم کے مطابق ڈیوڑھی پر آ گیا۔ مرحوم نے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کی۔ نانی اماں نواسے کو بہت مانتی تھیں۔ اپنے ساتھ ڈولی پر بٹھا لیا۔ صاحب خانہ نے آئے ہوئے مہمانوں کی کافی خاطر مدارات کی۔ اچھے اچھے کھانے پکے، بچے کو فوراً مٹھائیاں دی گئیں۔ جیسے کالڈو، گاجر کا حلوہ، خرمے کا حلوہ، اخروٹ، کشمش، بادام، چلغوزہ، غرضیکہ عمدہ قسم کے میوے بھی کھانے کو دیئے گئے۔ بچے نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ دوپہر کے کھانے میں دستر خوان پر طرح طرح کی چیزیں چنی ہوئی تھیں لیکن بچے نے نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ میزبان نے محسوس کر لیا کہ بچے کو یہ چیزیں ایکدم پسند نہیں۔ بابو بیٹا کہہ کر بچے کو بہلایا بھی لیکن کوئی اثر نہیں۔ بچے سے پوچھا بھی کہ ان چیزوں کے علاوہ اگر کوئی چیز پسند ہو تو منگوا دی جائے۔ بچہ ایکدم خاموش رہا۔ آخر میں بچہ کی نانی اماں سے دریافت کیا گیا، وہ بھی خاموش رہیں۔ بالآخر مہمان نے بچے سے کہا۔ ہم سے شرم کرتے ہو بیٹا تو اپنی نانی اماں سے کہدو کہ اس وقت تم کون سی چیز کھاؤ گے" نانی اماں کو تو بچے کی مرغوب غذا کے بارے میں معلوم تھا لیکن وہ خاموش تھیں۔ آخر میں حد درجہ اصرار کے بعد بچے نے نانی اماں کے کان میں چپکے سے یہ کہا" ستو، گھی اور بھورا نہیں ہے" میزبان کو جب بچے کی مرغوب غذا کا حال معلوم ہوا تو وہ بہت ہنسیں۔ آخر میں بچے کی مرغوب غذا کا انتظام کیا گیا۔

مرحوم کے بچپن کی چند داستانیں جو معلوم ہو سکیں اوپر درج کر دی گئی ہیں۔ جو بہر صورت دلچسپی کا پہلو رکھتی ہیں۔ ان سے زیادہ باتوں کا حال معلوم نہیں نہ معلوم خاک میں کیا صورتیں

پنہاں ہو گئیں" ان مرحوم داستانوں کا حال معلوم نہیں ہے۔ وہ بھی معلوماتی اعتبار سے ضرور اہم ثابت ہوتیں۔ اس وقت نہ تو مرحوم ہی اس دنیا میں ہیں اور نہ ان کے ساتھ اپنا بچپن گزارنے والے لوگ۔ ایک بھائی جو عمر میں چند سال بڑا ہے وہ رہ گیا ہے جس کا عدم و وجود دونوں ہی برابر ہے۔ مرحوم کے بچپن سے متعلق مزید باتیں دریافت کرنے پر صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم بچپن ہی سے بڑے ذہین تھے۔ پہیلیاں بہت جلد بوجھ لیتے تھے چنانچہ جب بھی کوئی معمہ کسی ہمسن بچہ کے لئے عقدۂ لاینحل بن جاتا تھا تو وہ سیدھے دوڑا ہوا مرحوم ہی کے پاس آتا تھا۔ مرحوم کے پاس آنے کا یہ مطلب ہوتا تھا کہ معمہ ضرور حل ہو جائے گا۔ چنانچہ اکثر ایسا ہی ہوتا تھا۔ المختصر بچپن میں بچوں کیلئے "خضر راہ" کی حیثیت رکھتے تھے عقل اور علم کے معاملہ میں رہنمائی کا مادہ ازل ہی سے مرحوم کو تھا۔ اور مرتے دم تک مرحوم قدرت کی عطا کردہ اس دولت کے امانت دار ہو کر خدمت خلق کرتے رہے۔
کسی بھی فن کو اور کسی بھی علم کو کم سے کم وقت میں حاصل کر لینے کی صرف مرحوم صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اس فن میں کمال حاصل کر کے دوسروں کو اپنا شاگرد بنانے کا مادہ بدرجہ اتم رکھتے تھے۔ لیکن اپنی استادی پر ناز کبھی نہیں کیا۔ اس سلسلہ کے دو واقعات جو معلوم ہو سکے ہیں ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے یہ آگاہی ہو گی کہ مرحوم کسی فن کو کس قدر جلد حاصل کر لیتے اور کوئی "سائل" اگر فنون کے سیکھنے کا ان سے خواہشمند ہوتا تھا تو فوراً "مائل بہ کرم" ہو جاتے۔

باکمال سائیکل کی سواری : سائیکل چڑھنا ان دنوں بہت کم لوگ جانتے تھے۔ یہ واقعہ غالباً ۱۸۹۴ء کا ہے اس وقت مرحوم لگ بھگ نو سال کے ہونگے۔ مرحوم سائیکل سیکھنے کے خواہش مند ہوئے۔ سائیکل کا انتظام ہو گیا۔ لیکن کوئی سکھانے والا نہیں تھا۔ مرحوم نے پیڈل پر یک پاؤں رکھ کر چہل قدمی شروع کر دی اور بہت جلد سائیکل چڑھنا سیکھ لیا۔ گھر اور محلہ کے دوسرے بچوں کو بھی اس فن کے سیکھنے کا شوق ہوا چنانچہ بحیثیت شاگرد خود کو مرحوم کے سپرد کرنے کیلئے آنا شروع کر دیا۔ مرحوم تو فوراً "مائل بہ کرم" ہو کر سکھانے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن مرحوم کے دیگر ساتھیوں کو اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی سوجھی۔ ایک نے کہا "دیکھو افضو۔۔۔۔ اس وقت تک انھیں شاگرد مت بناؤ جب تک یہ مٹھائی منگوا کر نیاز نہ دلائیں۔ اور ہم لوگوں میں تقسیم نہ کریں۔ چنانچہ مٹھائی نیاز دلائی گئی اور ایک نے استاذ کی شاگردی قبول کر لی۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ لڑکے آتے رہے اور مرحوم سے سائیکل چڑھنا سیکھتے رہے۔ یہ سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا۔ چنانچہ

صرف گھر اور پڑوس میں ہی نہیں بلکہ دور دور کے محلّہ میں بھی استادی کا شہرہ ہوا۔ ملنگ میں ڈاکٹر شمس الباری مرحوم گیاوی، مرحوم کے شاگرد تھے۔ جن کے سائیکل چڑھنے کا ایک واقعہ بہت قابل ذکر ہے۔ ایک تو یہ کہ ایک خاص قسم کی سائیکل بنوائی گئی جس کا ایک پہیہ سائیکل کے عام پہیوں سے لگ بھگ چوگنا بڑا تھا اور دوسرا چھوٹے ٹھیلے کے پہیے سے بھی چھوٹا تھا۔ اس پر چڑھنا اور اپنے کنٹرول میں رکھنا ڈاکٹر باری مرحوم کو، مرحوم نے ہی سکھایا تھا۔

منگل تالاب پر پورا چکر اس طرح لگانا کہ ٹائر کا کچھ حصہ پانی میں رہے اور باقی خشکی پر۔ اس مقابلہ میں مرحوم اوّل آئے تھے اور ڈاکٹر باری دوئم ہوئے تھے۔

ورزش: مرحوم کو بچپن ہی سے ورزش کا شوق بھی تھا۔ چنانچہ یہ شوق زمانہ شباب تک قائم رہا۔ لیکن کشتی یا دنگل کے میدان میں کبھی نہیں اترے۔ پہلوانی کے ہر اہم داؤ پیچ سے اچھی خاصی واقفیت رکھتے تھے۔ چنانچہ اس فن میں مرحوم کے استاد شہر کے مشہور پہلوان کھجو استاد تھے۔ کھجو استاد ہی سے مرحوم نے پنجہ لڑانے کا فن بھی سیکھا۔ کھجو استاد کی اس وقت شہر میں کافی دھاک تھی۔ شہر کا بلکہ یوں کہئے کہ صوبہ بہار کا نامی گرامی پہلوان گیگل (جوگیگا کے نام سے مشہور تھا) کھجو استاد کا ہی شاگرد تھا۔ مرحوم کے زمانہ شباب کی تصویر بھی یہی ثابت کرتی ہے کہ انھیں ورزش سے خاصی دلچسپی تھی۔ کھجو استاد کچھ کچھ مجھے بھی یاد ہیں۔ بخشی محلّہ میں مرحوم کے منجھلے بھائی عزیزالدین بلخی مرحوم اور بڑے بھائی حفیظ الدین بلخی مرحوم کے یہاں ان کا آنا جانا کم و بیش روزانہ ہوتا رہتا تھا۔ اس وقت ان کی عمر لگ بھگ پچاسی سال کی تھی۔ میں ایک نیم پختہ شعور کے بچہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ جبکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کھجو استاد نے اپنے پنجہ لڑانے کے فن کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہاں پر موجود میرے جتنے نوجوان بزرگ تھے کھجو استاد کا پنجہ گرانے میں ہر ممکن کوشش کرنے کے باوجود ناکام رہے۔ اس پر کھجو استاد نے یہ کہا "پنجہ لڑانا ایک فن ہے اس میں طاقت کے استعمال سے زیادہ پینترے کی ضرورت پڑتی ہے۔"

کھجو استاد، مرحوم اور ان کے دوستوں کو ورزش سکھانے کے لئے بخشی محلّہ آتے تھے۔ بعد میں حکیم فہیم الدین صاحب (خواجہ کلاں) کے مکان میں اکھاڑا بنایا گیا اور وہیں مرحوم کھجو استاد سے ورزش سیکھنے کیلئے جاتے تھے۔

تیراکی: مرحوم فن شناوری کے بلاشبہ ماہر تھے۔ اس فن میں ان کے سارے کرتبوں

کو دیکھنے کا تو موقع مجھے نہیں ملا۔ لیکن آج سے چند سال قبل دریائے گنگا میں مرحوم کے ساتھ غسل کے لئے جانے کا اتفاق ہوا۔ عہد پیری میں بھی میں نے انہیں گہرے پانی میں نوجوانوں کی طرح تیرتے ہوئے دیکھا۔ یہ بھی دیکھا کہ مرحوم پانی کی سطح پر نہایت ہی فراغت کے ساتھ لیٹے ہوئے ہیں۔ دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک لاش چت ہو کر سطح آب پر تیر رہی ہے اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ مرحوم اس فن سے بھی اچھی خاصی واقفیت رکھتے بھی تھے۔ مرحوم اس فن میں ایک بہت بڑے فنکار کے شاگرد تھے۔ جن کا نام خاں بہادر خاں رامپوری تھا۔ یہ روہیلکھنڈ کے ایک پٹھان تھے۔ ان کی کراماتِ شناوری کے میں نے بہت سارے قصے سنے ہیں۔

مرحوم کے منجھلے بھائی کے آنگن کی موری بند کر دی گئی تاکہ پانی باہر نہ نکلنے پائے۔ آنگن کو گویا تالاب بنایا گیا۔ گھٹنہ بھر پانی آنگن میں جمع کر دیا گیا۔ خان بہادر خان اپنا کرتب دکھانے کے لئے جانگیا پہن کر پانی میں اتر گئے۔ پلتھی مار کر پانی میں تیرنا شروع کر دیا۔ ارد گرد جمع بچوں کے لئے یہ تماشہ ہو گیا۔ سب سے چھوٹے بچے کو خاں صاحب نے اپنے ایک زانو پر بٹھایا دوسرے زانو پر گڑگڑی رکھ دی گئی اب خانصاحب حقہ پینے میں مصروف ہو گئے۔ خانصاحب نے کہا دیکھو میں تیر رہا ہوں زمین کی سطح سے میرے جسم کو کوئی تعلق نہیں" سبھوں نے یکے بادیگرے پانی میں اتر کر دیکھا۔ واقعی خانصاحب تیر رہے تھے۔ سنتے ہیں کہ خاں صاحب نے اپنی تیراکی کے بہت سے کرتب دکھائے۔ شیر کی طرح تیرنا، بط کی طرح تیرنا، صرف ایک ہاتھ کے سہارے تیرنا۔ صرف پاؤں کے پنجوں سے تیرنا۔ الغرض خان صاحب نے ہر قسم کی تیراکی کا مظاہرہ کیا۔ خان صاحب کو بچوں سے بہت انسیت تھی۔ جب تک ان کا قیام بخشی محلہ میں رہتا خانصاحب کا زیادہ وقت بچوں ہی کے ساتھ گذرتا۔ لڑکوں نے خان صاحب سے فن شناوری سکھانے کی خواہش ظاہر کی۔ خان صاحب تیار ہو گئے۔ چنانچہ وہ روزانہ لڑکوں کو دریائے گنگا میں تیراکی سکھانے کے لئے لے جاتے۔ مرحوم اور ان کے منجھلے بھائی بھی اس غرض سے خان صاحب کے ساتھ گنگا نہانے جاتے تھے۔ ایک روز خانصاحب نے لڑکوں سے کہا تم میں بہتوں کا حال بڈھے طوطے کا ہے۔ لاکھ کوشش کی جائے تم اس فن کے ماہر نہیں ہو سکتے۔ دیکھو! ہمارے قصو بابو، تم سبھوں سے عمر میں چھوٹے ہیں لیکن تم سبھوں سے عقل میں بہت بڑے ہیں۔ کس قدر جلد "ملاحی[۱]" اور "کھڑی"[۲] لگانے میں ماہر ہو گئے۔

مرحوم کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک بار سیلاب کے زمانے میں دریائے گنگا کو پار کیا تھا۔

۱، ۲ ایک خاص قسم کی تیراکی

ابتدائی تعلیم:- حکیم صوفی صاحب کی معلمی ان دنوں عظیم آباد میں مشہور زمانہ تھی۔ آج شہر عظیم آباد کی دھڑکتی ہوئی چھاتی پر جس عمارت کو بادشاہ محل کے نام سے پکارتے ہیں۔ مرحوم کے عہد طفلی میں اس جگہ پر حکیم صوفی صاحب کا نامی گرامی مدرسہ اور اس سے متصل ان کا دولت خانہ تھا۔ حکیم صوفی صاحب کے طریقہ تعلیم کا نہ صرف شہر ہی میں شہرہ تھا بلکہ بیرون شہر اور بیرون صوبہ بھی تھا۔ ان کی عربی فارسی اور اردو کی ابتدائی درسی کتابیں دور دور تک چلی ہوئی تھیں۔ خصوصی طور پر ان کی تصنیف کردہ الف۔ بے۔ حیدر آباد تک میں چلتی تھی۔ بچوں کی نفسیات اور ان کی دشواریوں کو مد نظر رکھ کر یہ کتاب ایک خاص ڈھنگ پر لکھی گئی تھی۔ اس کی مدد سے بچے اردو اور قرآن شریف پڑھنا آسانی سے سیکھ لیتے تھے۔

مرحوم کے سب سے پہلے معلم تو مرحوم کے والد محترم ہی ہوئے۔ ان کی نگرانی میں تربیت یافتہ ہو کر مرحوم صوفی صاحب کے مدرسہ میں داخل ہوئے۔ چنانچہ اردو عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم مرحوم نے اسی مدرسہ میں حاصل کی۔ مدرسہ کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مرحوم کا داخلہ محمڈن اسکول میں ہوا۔

طالب علمی کی زندگی: اپنی اسکولی زندگی میں بھی مرحوم کو کھیل کود سے بہت کم رغبت تھی۔ باتونی، بد خصلت، بد طینت، بد اطوار اور کھلاڑی لڑکوں سے مرحوم کو کوئی واسطہ نہیں رہتا تھا۔ لیکن اپنی ذہانت اور علمیت کے سبب مرحوم اپنے تمام ساتھیوں میں بہت مقبول تھے۔ گھر سے بغل کے نیچے کتاب لیکر اسکول آنا، اسکول میں فرصت کے اوقات کتب بینی میں مشغول رہنا۔ پڑھائی کے وقت کلاس میں ٹیچروں کی باتوں پر دھیان دینا ان کی طالب علمی کی زندگی سے متعلق یہی چند باتیں ہیں جو عمومی طور پر اسکول کے تمام طلبہ میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ اسکولی زندگی میں مرحوم کے قریب ترین دوست سید محمد اسمٰعیل تھے۔ جو بعدہ خان بہادر نواب سید اسمٰعیل عرف جگن صاحب کے نام سے مشہور ہوئے یہ مرحوم کے کلاس فیلو بھی تھے اور پڑھنے لکھنے میں مرحوم سے انہیں کے درمیان کمپیٹیشن رہا کرتا تھا۔ ان دونوں طالب علموں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ سارے تکلفات میں طاق تھے۔ جگن صاحب مرحوم کا ذکر مرحوم اپنی زندگی کے آخر آخر ایام تک برابر کیا کرتے تھے۔ ان کی ذہانت کی تعریف اکثر میں نے مرحوم کی زبان سے سنی ہے۔ تقریر کرنے کا مادہ ان میں شروع سے تھا۔ چنانچہ اسی کی بنیاد پر وہ آگے چل کر اپنی سیاسی زندگی میں ایک مشہور مقرر مانے

گئے۔ انگریزی اور اردو دونوں زبان میں ان میں تقریر کرنے کا ملکہ تھا۔

اپنی کتاب "تذکرہ نسوانِ ہند" میں صفحہ ۱۲ تا صفحہ ۱۳ گوہر کے پٹنہ آنے کا ذکر کرتے ہوئے مرحوم نے جس رئیس کی شادی کا ذکر کیا ہے۔ وہ جن صاحب ہی تھے۔ اس شادی میں مرحوم شریک تھے جبکہ گوہر نے اپنی ایک غزل گائی تھی۔ غزل کا مقطع ذیل میں درج ہے وہ نسوانِ ہند سے لیا گیا ہے۔

شائد کہ یاد بھولنے والے نے پھر کیا۔۔۔ ہچکی اسی سبب سے ہے گوہر لگی ہوئی

یہ واقعہ ۱۹۰۲ء کے قریب کا ہے جیسا کہ مرحوم نے نسوانِ ہند میں درج کیا ہے اس وقت مرحوم کی عمر لگ بھگ سترہ سال کی تھی۔ مرحوم کی ذہانت کا صرف اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ لگ بھگ پچپن برس قبل جو ایک غزل اپنے دوست کی شادی کے موقعہ پر ایک طوائف نے گائی تھی وہ ان کے حافظہ میں موجود رہی۔ چنانچہ کتاب لکھتے وقت ۱۹۵۶ء میں اس غزل کے مقطع کو گوہر کا حال درج کرتے ہوئے قلم بند کیا۔

مرحوم کے والد محترم ڈاکٹر غیاث الدین بلخی نے صرف پینتالیس سال کی عمر میں لگ بھگ ۱۹۰۰ء میں یکایک انتقال کیا۔ یہ حادثہ عظیم اس چھوٹے سے خاندان کے لئے نہایت ہی تباہ کن ثابت ہوا۔ مرحوم کی عمر اس وقت پندرہ سال کی تھی۔ بڑے بھائی مولوی حفیظ الدین بلخی جن کا سن پیدائش ۱۸۷۶ء ہے چوبیس سال کے تھے۔ منجھلے بھائی عزیز الدین بلخی مرحوم جن کا انتقال ۱۹۳۷ء میں ہوا اپنے والد کے انتقال کے وقت بیس برس کے تھے۔ سنجھلے بھائی اس وقت اٹھارہ سال کے تھے۔ مرحوم نے اس وقت اپنی عمر کا پندرھواں سال دیکھا تھا۔ ان چاروں بھائیوں کے منجھلے چچا اس وقت بقید حیات تھے۔ اپنے مرحوم بھائی کی چھوڑی ہوئی جائیداد اور چھ عدد اولاد (چار لڑکے اور دو لڑکیاں) کے سرپرست ہوئے۔ لیکن خاندان کے اصل سرپرست کے اٹھ جانے کے بعد خاندان کی پہلی جیسی حالت نہیں رہی۔ بالغ الشعور بھائیوں کو فکر معاش دامن گیر ہوئی۔ منجھلے اور سنجھلے بھائی جو کالج میں پڑھتے تھے اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکے۔ بڑے اور سنجھلے بھائی نے ملازمت کر لی منجھلے بھائی جنہیں ملازمت ناپسند تھی، اپنے حصہ کی جائیداد پر اکتفا کر لی۔

جیسے جیسے وقت گذرتا گیا چھوٹے بھائی کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس ستانے لگا۔ چنانچہ اپنی قابلیت اور حاصل کئے ہوئے علم کی بنیاد پر کوئی اچھی سی سند حاصل کرنے کا خیال دل میں آیا۔

مرحوم نے محمڈن اسکول کس سنہ میں چھوڑا اس کے بارے میں ٹھیک سے نہیں کہا جا سکتا۔ میں نے اس معاملہ میں جستجو بھی کی لیکن معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن اتنا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اسکول ۱۹۰۵ء کے قبل ہی یا اسی سنہ میں چھوڑا۔ مرحوم کے چھوڑے ہوئے کاغذات کی چھان بین کرتے وقت مجھے محمڈن اسکول کے ہیڈماسٹر صاحب کی دی ہوئی ایک سارٹیفکٹ ملی جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ مرحوم نے اسکول کی تعلیم باضابطہ ختم کرنے کے بعد یعنی انٹرنس کا امتحان پاس کر کے ہی اسکول چھوڑا۔ سارٹیفکٹ کا اقتباس نیچے درج کیا جاتا ہے۔

I know Mr Syed Fasihuddin Balkhi from his very infancy.He is young gentle man of good part and respectably....(1)...He has ....entrance of the Calcatta university and has.A fair knowledge of English,Persion,Urdu and Hindi.He is intelligent enough to be able to do ....all works........so for as I know him He is Physically fit for active service and bears a good moral character.I shall be glad enough to hear of his getting a suitable post and wish him every success in life.

Date — Azam Ali Khan
Head Master
Gulzar Bagh — M.A.A.School
The 31st oct 1905 — Patna

مرحوم کے بڑے بھائی حفیظ الدین بلخی مرحوم نے ۱۸۹۸ء کے لگ بھگ اپنے مخلص دوست حکیم فہیم الدین احمد فہیم ۲ کے ساتھ مل کر ایک رسالہ "تحفہ بہار" جاری کیا جو کئی سال تک چلتا رہا۔ اس رسالہ کو فروغ دینے کے سلسلے میں مرحوم اپنے بڑے بھائی صاحب کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اس رسالہ میں داغ دہلوی اور مشہور عظیم آبادی شعراء کی غزلیں، انھیں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ بڑے بھائی علم و ادب کی خدمت میں بڑے انہماک کے ساتھ حصہ لیتے تھے۔ گھر پر بھی اکثر مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ بقول نظام الدین بلخی مرحوم طرحی مشاعروں کے لئے کئی کئی غزلیں کہہ کر اپنے دوستوں کو پڑھنے کے لئے دے دیتے تھے۔ تحفہ بہار کا اجراء جس سنہ میں ہوا اس کو مد نظر رکھتے

۱ پڑھا نہیں جا سکا (کرم خوردہ)

۲ کلیم الدین احمد کے حقیقی چچا

ہوئے ہم غور کریں تو اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ مرحوم میں علم وادب کی خدمت کا جذبہ سن صغر ہی سے پیدا ہوا اور اہل قلم ہونے کی صلاحیت بھی ان ہی دنوں آئی۔ "تحفہ بہار" کے اجراء کے وقت مرحوم کی عمر تیرہ سال کی تھی۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بارہ تیرہ سال ہی کی عمر میں سخن سنجی اور سخن فہمی کا شعور مرحوم میں بیدار ہو چکا تھا۔

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ والد کی وفات کے بعد خاندان کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ مرحوم بھی سن شعور کو پہونچ چکے تھے۔ فکر معاش دامنگیر ہوئی۔ مرحوم میں سیاحی کا جذبہ بھی پیدا ہو چکا تھا۔ چونکہ بچپن ہی سے ورزش اور کشتی لڑنے کا شوق تھا نیز علم وادب کا ذوق بھی قدرت نے عطیہ کے طور پر انہیں دیا تھا۔ لہذا مرحوم کی یہ دلی خواہش تھی کہ انہیں ایسی نوکری ملے جس میں سیاحی کا بھی موقعہ ملتا رہے اور پڑھنے پڑھانے کا بھی سلسلہ جاری رہے۔ چنانچہ اسی جذبہ کے تحت فوجی رجیمنٹل منشی فاضل کا امتحان پاس کرلینا مرحوم نے ضروری سمجھا۔ اس کی بھی کہانی بڑی دلچسپ ہے۔ مرحوم نے خود راقم سے کہی تھی۔ مختصراً اسے درج کرتا ہوں۔

ملازمت کے لئے پہلا امتحان:۔ رجمینٹل فاضل منشی کا امتحان لفٹیننٹ کرنل، سکریٹری بورڈ آف اگزامینرس فورٹ ولیم کالج کلکتہ کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ اس کے سنٹرس (CENTRES) تمام ہندوستان کے ان شہروں میں ہوتے تھے جہاں فوجی چھاؤنیاں ہوتی تھیں۔ اپنی لیاقت قابلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر امتحان دہندہ کو سب سے پہلے سکریٹری صاحب سے اجازت لینی پڑتی تھی۔ اجازت مل جانے کے بعد فیس داخل کرنی پڑتی تھی۔ دانا پور کی فوجی چھاؤنی امتحان کا سنٹر تھی۔ ۳ر جنوری ۱۹۱۰ء کو صبح ۱۰ر بجے سے امتحان شروع ہونے والا تھا۔ مرحوم کے کچھ ملاقاتی بھی اس امتحان میں شریک ہونے والے تھے۔ امتحان شروع ہونے سے دو دن قبل امتحان دینے والے، مرحوم کے کچھ دوست مرحوم کے پاس آئے اور فرمایا کہ صرف تھوڑے سے روپیوں کی ضرورت ہے۔ امتحانی سوالات بہ آسانی معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم لوگوں نے آپس میں چندہ کر لیا ہے۔ تم بھی چندہ دے کر ہم لوگوں کی منڈلی میں شریک ہو جاؤ۔ مرحوم نے فرمایا "مجھے آپ لوگوں کی رائے سے ایکدم اتفاق نہیں ہے۔ آپ لوگوں کا جو جی چاہے کیجئے۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ اس طرح پاس کر کے سند حاصل کرنے سے بہتر ہے کہ انسان امتحان نہ دے" مرحوم کے احباب مرحوم کی

1.Copy of I.A F--X1857 sd/ --D.CPillot levienent-col - secretary.Board of Examination

ہی نے ایسے الفاظ سن کر بہت برہم ہوئے۔ آخر سب کے سب لوٹ گئے۔

۳/ جنوری سے امتحان شروع ہو گیا۔ مرحوم روزانہ امتحان دیکر خوشی خوشی گھر واپس آتے۔ مرحوم کو ان کے ملاقاتیوں نے یہ تو نہیں بتایا کہ ان کے امتحانی پرچے کیسے گئے ہیں۔ ہاں چہرے سے یہ ضرور ظاہر ہوتا کہ وہ بھی اپنے پرچوں سے مطمئین نہیں ہیں۔ امتحان ختم ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد امتحان کا نتیجہ بھی برآمد ہوا۔ مرحوم نے یہی نہیں کہ اول درجہ سے امتحان پاس کیا۔ بلکہ حیرت کی بات ان کے ملاقاتیوں کے لئے یہ تھی کہ سارے امتحان دینے والوں میں مرحوم نے سب سے زیادہ نمبر پایا۔ خصوصی طور پر دو پرچوں میں تو اس قدر نمبر لائے کہ اس وقت تک کوئی بھی ان پرچوں میں اتنا نمبر نہیں لایا تھا۔ پہلا پرچہ سو نمبر کا تھا، جس میں سوال کی نوعیت کے مطابق انگریزی کی دشوار ترین عبارت کا سلیس اردو میں ترجمہ کرنا تھا۔ اس میں مرحوم نے اٹھاسی (۸۸) نمبر پایا۔ دوسرے پرچہ میں عام بیانیہ تحریری عبارت کو عام بول چال کی (COLLOQUIAL) زبان میں تبدیل کرنا تھا اس میں مرحوم نے بہتر نمبر لایا۔ اسی طرح دوسرے پرچوں میں بھی فرسٹ کلاس سے بہت زیادہ نمبر پایا!

اس امتحان میں نمایاں کامیابی کو مرحوم کی ایک دلچسپ سیر و سیاحت کی حامل زندگی کا ایک حسین باب کہنا چاہئے۔ کرنل صاحب موصوف کی نگاہ انتخاب مرحوم پر پڑ گئی۔

ادھر اسٹیشن اسٹاف آفیسر لیفٹیننٹ جی۔ سی۔ ریک (G.C.RAC) نے ایک خط ۲۲/ جنوری ۱۹۱۰ء کو دانا پور کینٹ سے لکھا۔ جس کا اقتباس نیچے دیا جاتا ہے۔

NO. 108/A

LT G.C Rac

A/ Station staff officer

To,

Syed Fasihuddin Balkhi, Buxi Mohella, Patna

Dinapore Cantt ...... 22 Jan 1910

"I have to inform you that you have passed the examination for Munshi in this station on 3rd Jan last and am sending you(1) certificate of passing (2) copy of I.A.F.X 1857 for your information and as I.A.F - Z 2057 for you to be filled in .... and return to this office togather with a Medical Certificate from a .... M.O. as to your fitness to undergo to duties ...."

پہلی ملازمت: لیکن اس بیچ میں مرحوم نے نارتھ بہار سلطنت میں قانون گو کی ملازمت کر لی۔ جیسا کہ اے۔ آر ناپلس آئی۔ سی۔ ایس۔ اے۔ ایس۔ او بی دی ہوئی ۱۹۱۰ ۳ ۲ کی

سند سے ظاہر ہوتا ہے۔ مرحوم اپنی اس ملازمت میں ہر دل عزیز ثابت ہوئے۔ جفاکشی ،مشقت، محنت، ایمانداری اور کاموں کو بحسن وخوبی انجام دینے کے نتیجہ میں ٹاپلس صاحب مرحوم کو بہت مانتے تھے۔ یہ کام مزاج کے مطابق نہیں تھا لہذا مرحوم بہت جلد مستعفی ہو گئے ٹاپلس صاحب کی مرحوم کو عنایت کردہ سارٹیفکٹ کا آخری جملہ یہ تھا۔

" His work was thoroughly satisfactory."

پونا ملٹری اسکول کی ملازمت : پونا ملٹری اسکول (آر۔اے۔اسکول۔ کرکی) اور مرحوم بلخی صاحب :- قانون گو کے فرائض سے سبکدوش ہونے کے بعد مرحوم نے ملٹری اسکول کرکی میں معلمی کیلئے درخواست دی۔ انٹرویو کیلئے بلاوا ہوا۔ مرحوم ملازمت کیلئے منتخب کر لئے گئے یہاں بھی مرحوم زیادہ دنوں تک نہیں رہے۔ محکمہ کے افسر اعلیٰ ایف۔ جی۔ آجگن (F.G. Odgen) نے جو ۳۰ جون ۱۹۱۲ء کو انہیں ایک سرٹیفکٹ دی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرحوم جون ۱۹۱۱ء سے مئی ۱۹۱۲ء تک معلم کی حیثیت سے اس اسکول میں رہے۔ یہاں بھی مرحوم ہر دلعزیز رہے۔ جیسا کہ آجگن صاحب کے ان دو جملوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

" .... .and throught out that time he was most attentive and punctional in duties. He appeared to know his work well and has a very pleasent manner in handling his pupils."

مرحوم اس اسکول میں انگریزوں کو فارسی اور اردو کی تعلیم دیتے تھے۔ اپنے انگریز طالب علموں کے بہت سارے دلچسپ قصے مرحوم نے بہت سارے راقم کو سنائے تھے۔ خصوصی طور پر ان لوگوں کے فارسی دانی اور اردو دانی کے قصے خود بھی اطف لیکر سناتے تھے اپنے ذہین گورے پڑھنے والے چند طالب علموں کے بھی قصے مرحوم سناتے تھے۔ بچپن میں ایک بار مجھے مرحوم انگریزی کی درسی کتاب کا سبق دے رہے تھے۔ انگریزی کا ایک جملہ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ مرحوم یہ چاہتے تھے کہ میں اپنی ذہانت سے کام لوں اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس جملہ کا مفہوم سمجھ لوں۔ میری کوشش تو ایسی ہی تھی لیکن اس میں ناکامی کے سبب اس بات کا خواہش مند ہو چلا تھا کہ مرحوم اس جملہ کا مطلب اردو میں مجھ پر واضح کردیں۔ چنانچہ مرحوم نے فرمایا "انسان کو چاہئے کہ ذہانت سے کام لیا

کرے۔اسی موضوع پر اپنے ایک انگریز شاگرد کا نہایت ہی دلچسپ قصہ سنایا۔ فرمایا کہ میں نے ملٹری اسکول میں اپنے انگریز طالب علموں کو انگریزی عبارت اردو میں ترجمہ کرنے کیلئے دی تھی۔ایک انگریز نہیں جانتا تھا کہ بل (Bull) کو اردو میں کیا کہتے ہیں۔ بہر حال اس بیچارے نے اپنی ذہانت سے کام لیا اور اس کا ترجمہ " گائے کا شوہر " کر دیا۔کاپی دیکھتے وقت مجھے ہنسی تو بہت آئی لیکن اس کی ذہانت کو مد نظر رکھتے ہوئے میں اس سے بہت خوش ہوا۔

الغرض مرحوم نے لگ بھگ ایک سال تک اس اسکول میں ملازمت کی۔مرحوم کی دلچسپ کتاب زندگی کا ہر باب یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے لئے اور خدمت خلق کے واسطے بہتر سے بہتر ذریعہ نکالنے کی جدوجہد کرتے رہے۔بالغ العمری کے ابتدائی حصہ میں وہ ہم کر کہیں بھی نہیں رہے ۔ ملازمت کے اس پہلو سے اپنے ضمیر کا کبھی سمجھوتہ نہیں کیا جہاں انسان غلام بن جاتا ہے۔چنانچہ اس کی طرف انہوں نے اپنے ایک شعر میں اشارہ بھی کیا ہے۔

خواہاں جو خیر کا ہو وہ دنیا میں یوں رہے   آقا کسی کا ہو نہ کسی کا غلام ہو

فورٹ ولیم میں ملازمت اور جزیرہ فی جی (Figi) کا سفر :- پونا ملٹری اسکول سے سبکدوش ہونے کے بعد مرحوم اپنے وطن واپس آئے اور چند ہی دنوں کے بعد کلکتہ تشریف لے گئے۔ کلکتہ تشریف لانے کے بعد فوراً انہیں فورٹ ولیم میں معلمی کی جگہ مل گئی۔ جیسا کہ لفٹیننٹ جے۔ال۔ویل کاکس کی سند سے ظاہر ہوتا ہے یہاں بھی وہ ہر دل عزیز رہے۔ نیچے سارٹیفکٹ درج کی جاتی ہے۔

Fort William
Calcutta

" Fasihuddin Balkhi was a master for a short time and did well and I hope to get him again if he stays in Calcutta."

J.L. willcocks
Ltt. the black welder.

فورٹ ولیم میں بہ حیثیت معلم یہ بہت زیادہ دنوں تک نہیں رہے۔ اسلئے کہ جلد ہی انہیں جزیرہ فی جی کے سپریم کورٹ میں ترجمان (Interpreter) کی بہت اچھی جگہ مل گئی۔ سیکریٹری بورڈ آف اگزامینرس یہ چاہتے تھے کہ اپنی اعلیٰ ذہانت اور ایماندارانہ کاموں سے فورٹ ولیم ہی میں رہ کر معلمی کے کام انجام دیتے رہیں۔ لیکن جبکہ اس سے بہتر جگہ انہیں مل رہی تھی تو وہاں رہنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ان کو خوش کرنے کیلئے سیکریٹری موصوف نے باہر بھی انہیں ایک بہت اچھی جگہ

والی ایشیاٹک پٹرولیم کمپنی ۹ کلایو اسٹریٹ کلکتہ کے افسر اعلیٰ کو پڑھانے کیلئے ایک بہت اچھی ٹیوشن بھی ملی۔ اس افسر کا نام ایلڈر کینسنگٹن (Alder Kensingten) تھا۔ اس افسر نے مورخہ ۲۵۔ ستمبر ۱۹۱۲ء کو ایک خط مرحوم کے نام لکھا تھا۔ اُس سے اس کی تفصیل ظاہر ہوتی ہے۔ خط ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

To,

Munshi Fasihuddin Balkhi

Calcutta

Dear Sir,

The Secretary Board of Examiners has recommended you to me as a competent teacher of Hundustani.Iwish to have my first lesson with you on Friday morning of this weak,27th in september at 7.30 A.M.at my house 4Peun Road Alipore.

Kindly let me know by return whether you will be able to came there.

Yours faithfully

Alder Kensington

جزیرہ فیجی کے لئے روانگی: قیام کلکتہ میں گورمنٹ ایمیگریشن ایجنٹ فور فیجی (Govt Emigration Agent for Fiji) سے بھی ایک عرصہ دراز تک خط و کتابت ہوتی رہی۔ چنانچہ ۹ر دسمبر ۱۹۱۲ء کو مرحوم نے جو خط ایجنٹ کے نام لکھا تھا اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرحوم کلکتہ چھوڑ کر پھر پٹنہ تشریف لے آئے تھے۔ اس خط میں ایجنٹ نے یہ لکھا تھا کہ آپ کا انتخاب ہو جانے کے بعد ایک معاہدہ کے تحت فوراً ہی آپ کو ہندوستان چھوڑنا پڑے گا۔ ۵ دسمبر ۱۹۱۲ء کو بحوالہ نمبر ۱۰۰۲-۳-۱۱۷ جو خط ایجنٹ مرحوم کو لکھتا ہے۔ اس میں ۹ دسمبر کو گیارہ بجکر تیس منٹ پر انہیں بورڈ آف اگزامنرس کے دفتر (کانسل ہاؤس اسٹریٹ، کلکتہ) میں انٹرویو کے لئے بلایا گیا تھا۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۱۲ء کو پروانہ ملازمت (Appointment letter) بحوالہ نمبر ۱۰۰۸-۱۸۰-۱۱ مرحوم

کے نام روانہ کیا گیا۔ جس میں یہ تاکید کر دی گئی تھی کہ معاہدہ پر دستخط کرنے کیلئے جلد از جلد دفتر میں تشریف لائیں۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ مرحوم ان دنوں کلکتہ سے پٹنہ تشریف لے آئے تھے۔ چنانچہ اس کی تصدیق دو عدد ٹیلیگرام سے ہوتی ہے جو ایجنٹ نے یکے بعد دیگرے ۲۰- اور ۲۲ جنوری کو بھیجا اس کا مضمون نیچے درج کیا جاتا ہے۔

پہلا ٹیلیگرام مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۱۳ء

To

Syed Fasihuddin Balkhi

Buxi Mahalla Panta City

Must come at once to take passage Fiji reply urgently Fiji agent.

دوسرا ٹیلیگرام مورخہ ۲۲ر جنوری ۱۹۱۳ء

Must report yourself Calcutta tomorrow morning will be sent to Madras tomorrrow night to meet steamers already left for that port.

الغرض ۲۳ر جنوری ۱۹۱۳ء کی صبح میں مرحوم کلکتہ میں تھے۔ دوپہر تک معاہدہ پر مرحوم اور ایجنٹ دونوں نے دستخط کر دیا۔ معاہدہ کئی دفعات پر مشتمل تھا۔ معاہدہ کا ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔

"آج بتاریخ ۲۴ جنوری ۱۹۱۳ء بمقام کلکتہ گورمنٹ امیگریشن ایجنٹ برائے فی جی (جو ایجنٹ کہلاتا ہے) منجانب حکومت فی جی اور سید فصیح الدین بلخی (جو آج سے ملازم ہے) کے درمیان معاہدہ ہوتا ہے کہ حکومت فی جی نے ملازم کو اپنے یہاں رکھا اور ملازم نے حکومت فی جی کی ملازمت منظور کی۔ شرائط یہاں صاف صاف درج کی جاتی ہیں۔ مندرجہ ذیل رضامندی وجود پذیر ہوئی۔

۱۔ وہ سیوا (Suva) کیلئے گنگا (Ganges) نامی جہاز پر ۲۶ جنوری ۱۹۱۳ء کو روانہ ہو جائے گا یا ایجنٹ کی ہدایت کے مطابق دوسرے جہاز سے روانہ ہوگا یا کلکتہ میں اس کی ہدایت کا منتظر رہیگا۔

۲۔ سیوا (Suva) پہنچنے کے فوراً ہی بعد اپنی آمد خبر کی حکومت فی جی کے کرنل سکریٹری

کو دے گا اور اس کی ہدایت کے مطابق جیسی صورت حال ہو گی اور جو راستہ (Route) بہتر ہو گا اسی پر وہ اپنا سفر جاری رکھے گا یا جیسی افسر کی ہدایت ہو گی ویسا کریگا۔

۳۔ وہ حکومت فی جی کے امیگریشن ڈیپارٹمنٹ میں ہندوستانی ترجمان (Interpreter) کا عہدہ سنبھالیگا اور فی جی کی عدالت عالیہ میں (Supreme Court) میں وہ ترجمان رہیگا اور وہ اپنی مشقت اور اپنی ہر ممکن قابلیت کے مطابق سارے احکام کی تکمیل کے پیش نظر ہر کام کریگا۔

۴۔ انتظام حکومت فی جی میں جتنی جگہیں ہیں کسی بھی جگہ ضرورت پڑنے پر حکومت کی ایجنسیاں اُسے بھیج سکتی ہیں۔

۵۔ حکومت فی جی ذیل کے مطابق اپنی رضامندی ظاہر کرتی ہے۔

۶۔ حکومت فی جی نے کلکتہ سے سیوا (Suva) تک کا سکنڈ کلاس [1] کا راہ خرچ اور سمجھوتا کی بنیاد پر نوکری سے سبکدوشی کی حالت میں فی جی سے کلکتہ تک کا سکنڈ کلاس کا راہ خرچ دیگی۔

۷۔ ملازم کی تنخواہ معینہ آزمائشی دور تک ۱۳۰ پونڈ ہو گی۔ دوسرے سال ۱۴۰ پونڈ ہو گی۔ تیسرے سال ۱۵۰ پونڈ ہو گی۔ چوتھے سال ۱۶۰ پونڈ ہو گی۔

۸۔ چوتھے سال ملازم حکومت کو نوٹس دیگا کہ وہ اسے اپنی ملازمت میں رکھنا چاہتی ہے یا نہیں۔

۱۲۔ کسی بھی تنازعہ کے معاملہ میں دونوں فریقوں کیلئے حکومت فی جی کا فیصلہ قابل قبول ہو گا۔

معاہدہ بہت طویل ہے اس میں سے صرف چند ضروری اقتباسات کا ترجمہ مندرجہ بالا طور میں پیش کیا گیا۔

الغرض مرحوم جزیرہ فی جی کیلئے روانہ ہو گئے۔ بڑے بھائی حفیظ الدین بلخی چھوٹے بھائی یعنی مرحوم کو کلکتہ اور کلکتہ کے بعد مدراس تک پہنچانے کیلئے گئے۔

مرحوم ان دنوں غیر شادی شدہ ضرور تھے لیکن گھر سرپرستوں اور عزیز و اقارب سے بھرا پڑا تھا۔ اس معاہدہ پر دستخط کرنا گھر میں دوسروں کے علاوہ خصوصی طور پر مستورات کو بہت کھل رہا تھا۔ لیکن بڑا بھائی چھوٹے بھائی کے ارادہ اور عمل سے بالکل متفق تھا۔

مختصر یہ کہ مرحوم جزیرہ فی جی کیلئے روانہ ہو گئے۔ مرحوم اپنے وطن سے یہ امید لیکر فی جی گئے تھے کہ کم از کم چار برسوں تک وہاں کی سیر کرنی ہے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ وہاں پہونچتے ہی عہدہ تو

---

[1] انا سکنڈ کلاس

سنبھال لیا۔ یہ وسیاحت کی عادت بن ہو گئی تھی اور وہاں اس کے مواقع بھی ملے۔ حکومت فی جی کی ہدایت کے مطابق ادھر اُدھر جانے کا اتفاق بھی ہوا۔ لیکن اس ملک میں مرحوم کا جی نہیں لگا۔ وہاں کے خاص باشندے تہذیب کے اصل منازل سے دور تھے۔ مرحوم کہتے تھے کہ وہاں کے باشندوں کو دیکھ کر اکثر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان میں سے کچھ آدم خور ہوں گے۔ ان کے سر کے گھنے اور بڑے بڑے بال سور کے بالوں کی طرح سخت ہوتے اور کھڑے رہتے تھے۔ مرحوم وہاں کے بہت سارے فوٹو بھی لائے تھے۔ جو ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء کے درمیان جبکہ ہم لوگوں نے بخشی محلّہ کے موروثی مکان کو خیر باد کہا تو ایک مکان سے دوسرے مکان میں چیزوں کو منتقل کرتے وقت بہت سارے ضروری کاغذات اور تصویروں کے ساتھ گم ہو گئے یا چرا لئے گئے۔ وہاں اپنی محنت اور کاموں کے سبب یہ مقبول تو بہت ہوئے لیکن وہاں کی آب و ہوا ان کے مزاج کو راس نہ آئی۔ لگ بھگ چھ ماہ کے بعد مرحوم علیل ہوئے۔ علالت سے بچنے کو تو وقتی طور پر نجات ملی لیکن ان کی تندرستی کو ہمیشہ کچھ نہ کچھ شکایت رہی۔ مرحوم عجیب اُلجھن میں مبتلا ہو گئے۔

معاہدہ کے مطابق وقتِ معینہ سے قبل وطن واپس آنا ایک دشوار ترین مسئلہ بن گیا تندرستی رفتہ رفتہ جب گرنے لگی تو مجبور ہو کر مرحوم نے حکومت سے سبکدوشی ملازمت کی درخواست کی۔ حکومت نے پہلے تو بہت کچھ پس و پیش کیا۔ آخر میں مرحوم نے ہندوستان میں ایمیگریشن ایجنٹ برائے فی جی کو خط لکھا۔ بات آہستہ آہستہ بہت آگے بڑھ گئی۔ مرحوم نے ایجنسی کو یہ بھی لکھا کہ تندرستی کی خرابی کے سبب وہ ہندوستانی حکومت برطانیہ کو خط لکھیں گے کہ ملازمت سے ان کی سبکدوشی ہو۔ آخر کار ایجنسی اور مرحوم کے درمیان اس بات پر رضامندی ہو گئی کہ حکومت فی جی انہیں ملازمت سے سبکدوش کر دے گی۔

کو آپریٹیو کے امتحان میں کامیابی: مرحوم اس ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ اپنے بڑے بھائی کو اپنی آمد کی خبر بھیجی۔ بڑے بھائی مرحوم کے استقبال کے لئے مدراس روانہ ہوئے اور چند دنوں کے اندر انہیں ساتھ لے کر عظیم آباد واپس آئے۔ واقعات ۱۹۱۳ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیان کے ہیں۔ فی۔ جی۔ سے لوٹنے کے بعد کچھ دنوں تک مرحوم ملازمت کی فکر میں بہت پریشان رہے۔ لیکن ان کی پریشانی زیادہ دیرپا ثابت نہیں ہوئی۔ چنانچہ نوادہ کو آپریٹیو بینک میں نگراں کا عہدہ جلد ہی مل گیا۔ اسی اثناء میں ۱۹۱۵ء کے لگ بھگ انہوں نے ایک نئی سند حاصل کرنے کے لئے سبور (Sabour) میں

کو آپریٹیو کورس (Co - operative Course) کا امتحان پاس کیا۔ جیسا کہ نیچے دی ہوئی سند سے ظاہر ہوتا ہے۔

CO - OPERATIVE COURSE

SABOUR

CERTIFIED THAT MUNSHI FASIHUDDIN BALKHI PASSED IN THE FOLLOWING SUBJECT

LAW — S A COLINS

SECRATRIATE WORKS — REGISTRAR

RANCHI — COOPERATIVE RECORDS

THE 26TH NOVEMBER 1915 — BIHAR & ORRISSA

الغرض بی۔ جی۔ سے واپس آنے کے بعد محض چند دنوں تک مرحوم بیکار رہے۔ اس لئے کہ جلد ہی انہیں کو آپریٹیو سوسائٹیز میں نگراں کا عہدہ مل گیا۔ اسی عہدہ پر وہ لگ بھگ ڈھائی برسوں تک برقرار رہے۔ حکومت بہار و اڑیسہ نے مرحوم کی ایمانداری اور کارگزاریوں کو بہت سراہا جیسا کہ بہار و اڑیسہ کی کو آپریٹیو سوسائٹیز کی سالانہ رپورٹ ۱۵-۱۹۱۴ء[1] سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس میں یہ لکھا ہے کہ سبھوں کی کارگزاریوں میں فصیح الدین بلخی کو سب سے زیادہ لائق تحسین تصور کرنا چاہئے۔

قانون گو بلخی صاحب : ایک عرصہ کے بعد اس ملازمت سے بھی سبکدوشی ہوئی۔ چنانچہ مرحوم کے چھوڑے ہوئے کاغذات یہ بتاتے ہیں کہ وہ سیوان میں پھر قانون گو کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ یہاں مرحوم لگ بھگ دو برسوں تک رہے ہونگے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ پہلی جنگ عظیم چھڑ چکی تھی۔

پہلی جنگ عظیم اور بلخی صاحب: پونا ملٹری اسکول اور فورٹ ولیم کے شہرت یافتہ معلم منشی فصیح الدین بلخی کو ایک بار پھر فوجیوں کی معلمی کے عہدہ پر فائز کرنے کے لئے بلایا گیا۔ بلخی صاحب کو سرد ست "مصر" (EGYPT) بھیجا جا رہا تھا۔ لیکن فوجی ملازمت ہونے کے سبب معاہدہ کے پیش نظر انہیں دیگر بیرونی ملک میں ہر جگہ جانے کیلئے آمادہ کیا گیا۔

۱۲؍ جولائی ۱۹۱۸ء کو معاہدہ کا مسودہ مرحوم کے سامنے پیش تھا۔ معاہدہ میں نو اہم شرطیں

---

1. Government report on the working of co-operative societies ,Bihar & Orrissa 1914-15, Nawadah " Among the staff M.Fasihuddin Balkhi should get the greatest credit."

تھیں۔ معاہدہ سکریٹری آف اسٹیٹ برائے ہندوستان اور مرحوم کے درمیان ہوا تھا۔ اس معاہدہ کے مطابق مرحوم کی تنخواہ ایک سو پچاس روپئے ماہوار، پچھتر روپے ـ اور پچھتر روپے دیگر اخراجات یعنی سب ملا کر مبلغ تین سو روپے تھی۔ اسکے علاوہ ایک نوکر کے اخراجات بھی حکومت نے اپنے ذمہ لیا تھا۔ کھانا، پینا، رہنا علاج و معالجہ اور لڑائی میں کام آنے یا دورانِ ملازمت میں مر جانے پر فیملی پینشن بھی حکومت برطانیہ کے ذمہ تھی۔

معاہدہ کے چند ضروری اقتباسات کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔

معاہدہ جو آج ۱۲ جولائی ۱۹۱۸ء کو کانسل کے سکریٹری آف اسٹیٹ برائے ہندوستان (آج سے جس کی حیثیت مالک کی ہے) اور سید فصیح الدین بلخی ذات مسلمان سید ولد سید غیاث الدین بلخی ساکن بخشی محلہ پٹنہ ∞ (جس کی آج سے ملازم کی حیثیت ہے) کے درمیان ہوا۔ ملازم رکھنے والے کو چونکہ مصر میں ایک منشی کی ضرورت ہے اور ملازم نے چونکہ اپنی رضامندی ظاہر کی ہے۔ اسلئے ان موجودہ گواہان کے سامنے ذیل کے مطابق دونوں اپنی رضامندی ظاہر کرتے ہیں۔

۱۔ ۱۲ جولائی ۱۹۱۸ء سے ملازم رکھنے والے کی مصر میں ملازمت میں داخل ہونے کے لئے ایک سال یا اس سے کم یا زیادہ مدت تک کے لئے اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے۔

۲۔ ملازم منشی کی حیثیت سے ملازمت کریگا۔

۳۔ ملازم مصر کیلئے منشی کی حیثیت سے روانگی اور وہاں یا کسی دوسری جگہوں کیلئے ضرورت کے مطابق اپنے افسر کی ہدایت پر روانہ ہونے کا اقرار کرتا ہے۔

۴۔ جو بھی قاعدے قوانین اس پر عائد ہونگے ان پر عمل کریگا۔

۵۔ جس افسر کی ماتحتی میں وہ رہیگا اس کے حکم کی تعمیل کریگا۔

۶۔ وہ ملازمت اور محکمے کا وفادار رہیگا۔

۷۔ مذکورہ بالا (معاہدہ) کے مطابق وہ مندرجہ ذیل سہولتوں کا حقدار ہوگا۔

(الف) وہ مبلغ ایک سو پچاس روپے تنخواہ ہندوستان میں پائے گا اور روانگی کے بعد پچاس فیصدی اُسے ـ ملیگا۔

(ب) اُسے سکنڈ کلاس ریل کا کرایہ بندرگاہ تک اور تھرڈ کلاس نوکر کا کرایہ (اگر اُسے ضرورت ہوئی) اور بحری سفر کے اخراجات ملیں گے۔

(ج)	اسی طرح اپنے وطن واپسی کے وقت بھی ملیں گے۔

(د)	ایک ماہ کی پیشگی تنخواہ ملے گی۔

(ہ)	پچھتر روپے دیگر اخراجات کے لئے کے طور پر ملیں گے۔

(و)	مفت کا راشن ملیگا۔

(ز)	مفت رہنے کی جگہ ملے گی۔ علاج معالجہ اور قانون کے مطابق فیملی پینشن ملیگی

دستخط گواہان	دستخط (نہیں پڑھا جاسکا)

(۱)۔ب۔۔۔(نہیں پڑھا گیا)	کیپٹن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(۲)۔۔۔۔(نہیں پڑھا گیا)	منجانب سکریٹری آف اسٹیٹ برائے ہندوستان

دستخط۔ سید فصیح الدین بلخی۔ منشی

مصر کا سفر: الغرض مرحوم مصر کیلئے روانہ ہو گئے چونکہ ایک نوکر بھی ساتھ لیجانے کی اجازت تھی لہذا گھر کے پرانے نوکر پھتر میاں ساتھ گئے۔ یہ مرحوم کا دوسرا بحری سفر تھا۔ مرحوم کی یہ ملازمت خالص فوجی نوعیت کی تھی۔ فوجیوں کو اردو فارسی اور عربی ان کی ضرورت کے مطابق پڑھانا مرحوم کا کام تھا۔ اس سفر کے نتیجے میں مرحوم نے مصر (Egypt) اسکندریا (Alascandria) دمشق، سیریا، فلسطین، بیروت، بیت المقدس اور نہ جانے کہاں کہاں کی سیر کی۔ پھتر میاں مرحوم کے بہت وفادار نوکر تھے۔ مصر اسکندریا اور دوسرے بڑے شہروں کے عالیشان ہوٹلوں میں انہوں نے عظیم آباد کے بہت سارے اچھے رئیسوں سے بہتر زندگی گذاری اور مرحوم کے ساتھ محاذِ جنگ پر بھی انہوں نے گویا جان ہتھیلی پر رکھ کر آقا کا ساتھ دیا۔

پھتر میاں کا ایک دلچسپ قصہ مرحوم نے خود مجھ سے سنایا تھا۔ اسکندریا کے کسی شاندار ہوٹل میں آقا اور ملازم دونوں قہوہ پی رہے تھے۔ یکا یک پھتر میاں جو مرحوم سے کچھ دور ہندوستانی تہذیب کے پیش نظر بیٹھے ہوئے تھے۔ مرحوم کے کان میں آکر چپکے سے چلنے کیلئے کہا۔ مرحوم قہوہ ختم کر کے چلنا چاہتے تھے اور پھتر میاں انہیں فوراً چلنے کو کہہ رہے تھے۔

مرحوم جب ہوٹل سے باہر نکلے تو نوکر سے حقیقت دریافت کی پھتر میاں نے کہا "بابو آپ کی پیٹھ کی طرف جو رئیس زادہ نیا سوٹ بوٹ میں بیٹھا تھا نا وہ حرامزادہ مہتر ہے۔ ہم نے خود اس کو مہتر کا کام کرتے دیکھا ہے۔"

مرحوم یہ سنکر بہت ہنسے اور فرمایا۔ "پتھر میاں یہ ہندوستان کا شہر عظیم آباد نہیں ہے۔ یہ اسکندریا ہے۔ اس ملک میں چھوت چھات کوئی شئے نہیں ہے۔ اور اس کے علاوہ تم تو مسلمان ہو۔ کیا نہیں جانتے کہ اسلام میں ایسی خام خیالیوں کی گنجائش نہیں"

پتھر میاں دل میں بہت برہم تھے لیکن خاموش رہے۔

مرحوم نے اپنے دل کی بات اپنے ملازم سے کہی تھی۔ اس پر ان کا ایمان تھا۔ چنانچہ اس کی طرف اپنے ایک شعر میں انہوں نے اشارہ کیا ہے۔

انسان اس جہاں میں برابر ہیں سب فصیح۔ کم ہے نہ کوئی اپنی نظر میں زیادہ ہے۔

پتھر میاں کی بذلہ سنجی اور سادگی مشہور تھی۔ مصر میں جب بھی ہدایت کے مطابق جانے اور قیام کرنے کا اتفاق ہوتا تو پتھر میاں بھی ساتھ رہتے۔ مرحوم ایک بار پتھر میاں کے ساتھ مصر کے ایک بہت بڑے انگریزی وضع کے ہوٹل میں مقیم تھے۔ اس کا نام گرینڈ روائل ہوٹل تھا (Grand Royal Hotel) مصر کے مشہور جگہ ازبکیھ اسٹریٹ (Esbekieh streert) قاہرہ (Cairo) میں یہ ہوٹل تھا۔ عمومی طور پر اس میں فوجی آکر رہتے تھے۔

مرحوم اور پتھر میاں کیلئے دو کمرے پہلے ہی سے ٹھیک تھے۔ پتھر میاں اپنے کمرے میں تشریف لے گئے ساری چیزوں کا معائنہ کیا اور فوراً مالک کے کمرے میں آئے کہنے لگے۔ "بابو! مجھے تو ایسا کمرہ ملا ہے جس میں کی ساری چیزیں ہم کیا ہمارے لکڑ دادا کو ©میں بھی نہیں ملی ہوں گی۔ باپ رے باپ زمین پر بچھا ہوا قالین ہے۔ گدے دار لمبی کرسی (صوفہ) ہے جس پر بیٹھتے ہی آدمی غڑاپ سے اندر چلا جاتا ہے۔ ایک کام کیجئے بابو، منیجر صاحب سے کہہ کر ان چیزوں کو باہر نکلوا دیجئے۔ ہم کو زمین پر بہت آرام ملیگا۔ اور ہاں! منیجر صاحب سے کہہ کر اس کمرے کا کرایہ کم کروا دیجئے اسلئے کہ اس کی چیزوں سے تو ہمیں کوئی واسطہ رہیگا نہیں۔

مرحوم زیرلب مسکراتے رہے۔ پتھو میاں کے سوالات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

مختلف پرانے کاغذات کی چھان بین کے وقت کئی بوسیدہ پرزے مجھے ملے جس سے مرحوم کی فوجی زندگی کے سفر کے کچھ حال کا پتہ چلتا ہے۔ مرحوم فوج میں بھی معلمی اور پڑھانے کے کام پر مامور تھے۔ فوجی رجمنٹ کے ۵۳ ڈویژن سے مرحوم کا تعلق تھا اور ان کا اعشاریہ ۷۰۴ تھا۔ مرحوم جس فوجی دستہ سے ملحق تھے اس کا نام انجپسین ایکسپیڈیشنری فورس

(Egyption Expeditionary Force) تھا ۱۹۱۸، ۱۰. ۱۰. ۱۹۱۸، ۱۰. ۱۵. ۱۹۱۸، ۱۰. ۱۸. ۱۹۱۹، ۱۰. ۲۴. ۱۹۱۹، ۱. ۲۹. ۱۹۱۹، ۱. ۱۴. ۱۹۱۹، ۱. ۱۱. ۱۹۱۹، ۲. ۴. ۲ کے جتنے بھی فوجی پاس برائے سفر ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مرحوم انتھوفلڈ (Enthofield) بیروت، اسکندریا، ریاض (Rayaz) حائفہ (Haifa) کنتارا (Kantara) سُڈ (Sudd) بیت المقدس (Jerusalam) مصر وغیرہ جگہوں میں فوجی کمانڈر کے حسب حکم تشریف لے گئے تھے۔ ۱۹۱۹. ۱۲. ۷ کے فلسطین فوجی ریلوے پاس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک بار چھٹی لیکر ریاض (Rayaz) سے بعلبک (Baalbek) بھی تشریف لے گئے تھے۔ ۱۹۱۹. ۸. ۹ کے مومنٹ آرڈر (Movement order) سے پتہ چلتا ہے کہ مرحوم ان ہی دنوں نوکری سے سبکدوش ہو کر چھٹر میاں کے ساتھ اپنے وطن کیلئے روانہ ہوئے۔ جیسا کہ حسب ذیل سے واضح ہوتا ہے۔

Movement Order G 67363
Palestine Military Railway

	Number	Nature of Duty
Offilcers	1	Proceeding to swez
Or	1	Enrout to India
• Single	From	Rayaz
• Return	To	Haifa
Date	8/9/19	Cafit

Issuing officer.

مرحوم مصر اور اسکندریا میں جہاں کپڑے سلواتے تھے اس کمپنی کا نام دین محمد جان ٹیلرینگ کمپنی تھا۔ اس کی شاخیں مصر میں سلیمان پاشا ٦ (Suleman Pacha) اور کامل اسٹریٹ ۹ (Kamel Street9) اور اسکندریا میں ۲ ل محمد علی (2 Place Md Ali) میں تھیں۔

پرانے کاغذات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مرحوم ۱۹۱۹ء کے اواخر میں ملک بیرون کی سیر کرنے کے بعد وطن واپس تشریف لائے۔ مرحوم نے فوجی ملازمت بحسن وخوبی اور نہایت دیانتداری کے ساتھ انجام دی۔ اس کا اندازہ ذیل میں درج فوج کے اعلیٰ افسروں کی دی ہوئی سند سے ظاہر ہو سکتا ہے۔

میجر جنرل ایس۔ ایف۔ موٹ، کپتان۔ سی۔ ای۔ ڈنکر۔ کپتان جان ان مور جنرل اسٹاف اور بریگیڈیر جنرل جیمس ڈبلو والکر کی دی ہوئی سند کی ہو بہو نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

" To the Chief Secretary ti the Govt
of Bihar and Orissa
Head Quarters, 53 Rd Division

Forworded 14th December 1918

This Munshi has been with my Division inE.E.F. for five months,and has worked well"

sd/s.f. Molt
Majar General
Commanding 53 Division

" Syed Fasihuddin Balkhi

The above named Munshi,while serving with the H.Q.53 Division has acted as Interpreter for me on several occasions and has always proued himself reliable and efficient.

I consider him well fitted to serve in any position where abilety is required."

Sd/C.E. Dunkerley
D.A.P.M. 53rd Division

Munshi Moulvi Fasihuddin Balkhi has served as munshi and interpreter in the 53rd Division from September 1918 and during that time has conducted classes for officers in Hindustani in a very efficient and satisfactory manner.He has acted as interpreter in courts of enquiry court Martial etc,in connection with Indians and has proved himself most useful and reliable at all times.He can be safely recommended for any post of trust and responsibility."

Dated Sd/John N. More Captain
23.3.1919 General staff 53rd Division

Head Quarter 53rd Division

"Munshi Moulvi Fasihuddin Balkhi has been attached to this Division for same month and has superintended Indian Educational class in two Brigudes.His work has given entire satisfactory both to the Brigades and and to the Divisional staff.He is a good teacher.

Sd/James W.Walker.
Brigadier General Commanding
The 28th April 1919 53 Division

مرحوم اپنی فوجی زندگی کے بہت سارے قصے سناتے تھے۔ سبھوں کا قلم بند کرنا مشکل ہے۔ مرحوم کہتے تھے کہ میں ان دنوں تین بار موت کے منہ سے باہر آیا۔ آج مرحوم کا ایک شعر یاد کرتا ہوں تو حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اپنی غزل کے ایک شعر میں مرحوم فرماتے ہیں۔

مجھ سخت جان پہ چل نہ سکی اس کی تیغ تیز۔ پابند وہ بھی حلقہ جوہر میں رہ گئی

بات بھی ایسی ہی تھی۔ مرحوم پر تین بار دشمن کی فوج نے قاتلانہ حملہ کیا۔ ایک بار کا واقعہ تو عجیب وغریب تھا۔ مرحوم فوج کے جس دستہ سے تعلق رکھتے تھے اُسے یک بیک نقل وحرکت کا حکم دیدیا گیا۔ فوج پاپیادہ آگے بڑھ رہی تھی۔ مرحوم سے چند قدم آگے کچھ سپاہی جارہے تھے۔ راستہ ناہموار تھا۔ جگہ جگہ رکاوٹیں تھیں۔ مرحوم کے ایک ساتھی سردار جی جو غالباً امرتسر کے رہنے والے تھے مرحوم سے چند قدم آگے تھے۔ یک بیک سردار جی کا پاؤں راستے پر گری ہوئی کسی چیز سے پھنسا سردار جی نے جوتے کی نوک سے اس کو کنارے پھینکنا چاہا، اتنے میں ایک زبردست دھماکا ہوا۔ آگے

کے کئی فوجی سردار جی کے علاوہ ہلاک ہوگئے۔ سردار جی کا تو ایک پاؤں جسم سے ایک دم علحدہ ہوگیا۔ خدا کی شان کہئے کہ مرحوم بال بال بچ گئے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ مرحوم چند ساتھیوں کے ساتھ خیمہ سے باہر رات کے وقت نکلے۔ رات تاریک تھی۔ یہ لوگ گرچہ نہایت آہستہ آہستہ قدم زمین پر دھر رہے تھے لیکن تھوڑی سی کھڑ کھڑاہٹ پر دور سے گولی چلنا شروع ہوگئی۔ دو ساتھی مارے گئے۔ مرحوم کو ایسا معلوم ہوا کہ گولی ان کے قریب سے گذر گئی۔

ایک بار کا اور ذکر ہے کہ مرحوم کو دیکھ کر اور نشانہ لگا کر متواتر تین بار گولی چلائی گئی پہلی گولی سر سے کچھ اوپر گذری دوسری بغل سے گئی تیسری کچھ دوری سے گذری لیکن مرحوم ایک دم محفوظ رہ گئے۔ فوراً ہی زمین پر لیٹ گئے اور اپنے جسم کو ایک دم چُراتے ہوئے آگے جھاڑی میں چھپ گئے۔

مرحوم ہر قاتلانہ حملہ سے بچ گئے اسلئے کہ قدرت کو ایسا ہی منظور تھا۔ اُس کو مرحوم سے "تاریخ مگدھ" لکھوانا تھا۔ ان سے تذکرہ نسوانِ ہند لکھوانا تھا۔ اُن سے ہندو شعرائے بہار لکھوانا تھا۔ پٹنہ یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات کو ان کے عملی خدمات کا رہین بنوانا تھا۔ کتنے ادب نوازوں، ادب دوستوں، ریسرچ اسکالروں کو ان سے فیضیاب کروانا تھا۔ انہیں علم وادب کا ایک تابدار ستارہ بنوانا تھا۔ مختصر یہ کہ مرنے کے بعد بھی اُنہیں جاوید بنانا تھا۔ یہی تو وجہ تھی کہ موت اُن کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکی اور اس خاکدانِ ہست وبود سے ان کے وجود کو ختم کرنے کے باوجود ان کی زندگی کو ختم نہیں کر سکی۔ کل وہ گوشت پوست میں ہم لوگوں کے سامنے تھے اور آج علم وادب کی تاریخ میں زندہ ہیں۔ لوگ مرتے ہیں تو ان کا وجود ختم ہو جاتا ہے لیکن عالم مرتا ہے تو اس کے علمی کارنامے اُسے زندہ رکھتے ہیں۔

مرحوم فوجی ملازمت سے ۱۹۱۹ء کے اواخر میں سبکدوش ہوئے ہیں۔ مرحوم کے منجھلے بھائی حضرت نظام بلخی کا کہنا ہے کہ مرحوم جب فوجی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ہندوستان تشریف لائے تو ان کی اچھی کارگذاریوں کے صلے میں حکومت ہند نے قلعہ رہتاس کے قریب اُن کو کافی زمین دی۔ لیکن چونکہ مرحوم قناعت پسندی اور فقیرانہ ذہنیت رکھتے تھے لہذا ان زمینوں سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ مرحوم کی وفات کے کچھ دنوں بعد حضرت نظام بلخی کے پوتے معزالدین بلخی خادم کا ایک مضمون "بہار کی خبریں" میں شائع ہوا ہے۔ اس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ خادم نے جو

کچھ بھی اس کے بعد لکھا ہے وہ اپنے دادا جان سے پوچھ کر ہی لکھا ہے۔

اوپر بھی لکھ چکا ہوں کہ بی بی رسولن مرحومہ بلخی صاحب مرحوم کی دوسری اہلیہ تھیں۔ مرحوم کی دوسری شادی پہلی جنگ عظیم سے واپس آنے پر لگ بھگ ۱۹۲۰ء میں ہوئی۔ ان سے مرحوم کو تین اولاد ہوئی۔ پہلی دو اولاد کم سنی ہی میں اللہ میاں کو پیاری ہو گئی تیسری یعنی راقم تحریر ہنوز بقید حیات ہے۔ میری شادی میرے والدین نے کم سنی میں ہی کر دی۔ میری شادی ۱۹۴۸ء کے دسمبر میں ہوئی۔ میری اہلیہ کی والدہ بی بی وسیمن مرحومہ ڈاکٹر سید محمد وارث بلخی مرحوم کی منجھلی صاحبزادی تھیں جنکی شادی داروغہ سید رحیم الدین احمد مرحوم سے ہوئی۔ میری اہلیہ کا نام بی بی وجیہہ النساء ہے ان سے پانچ اولادیں ہوئیں۔ تین لڑکے پروفیسر مظفر بلخی، حیدر بلخی اور مصطفیٰ بلخی ہیں۔ ایک بچی کلثوم بچپن میں داغِ مفارقت دے گئی جس کی موت سے متاثر ہو کر میں نے 'غمِ تازہ' نظم کہی جو میرے پہلے مجموعۂ کلام 'آغاز سحر' میں ہے ایک بچی آمنہ بلخی اس وقت لگ بھگ سولہ سال کی ہے اللہ ان چاروں کی عمر دراز کرے اور اقبال مند بنائے۔

شادی اور اولاد: مرحوم فصیح الدین بلخی کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی شادی محلہ لودی کٹرہ کے ایک سادات خاندان میں بی بی نور فاطمہ مرحومہ سے ہوئی۔ یہ زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہیں اور داغِ مفارقت دے گئیں۔ اس خاندان کا شجرہ نیچے پیش کیا جاتا ہے۔

نسب نامہ بی بی نور فاطمہ مرحومہ

سید مبارک علی

↓

سید اشرف علی

↓

سید اظہر علی

↓

سید لطف الرحمٰن ↓	سید منظر علی	سید حبیب الرحمٰن ↓	سید علی کریم ↓

بی بی اُمت الفاطمہ
(زوجہ سید مظہر حسین)

بی بی نور فاطمہ
(زوجہ فصیح الدین بلخی)

بی بی زہرؔہ
(زوجہ سید ممتاز مرحوم)

سید ظہور الدین
(ان کی دوسری شادی
فصیح الدین بلخی کی چھوٹی بہن
بی بی شمسہ سے ہوئی تھی)

بی بی حلیمہ
(زوجہ سید
معین الدین
وکیل)

رحیمہ (بیٹی)

سید عبدالمتین
(جن کی شادی سید ظہور الدین مرحوم
کی بیٹی محمودہ سے ہوئی تھی)

سید حسین الدین
(جن کی شادی رفیع الدین بلخی وکیل
کی لڑکی سے ہوئی)

نسیمہ
(زوجہ سید نسیم الدین بلخی
بن رفیع الدین بلخی)

○

دوسری شادی: فصیح الدین بلخی کی دوسری شادی بی بی رسولن مرحومہ بنت ڈاکٹر سید وارث بلخی مرحوم (ساکن دوندی بازار پٹنہ) سے ہوئی۔ جن سے تین اولادیں ہوئیں۔ جن میں صرف ایک سید ابراہیم بلخی (نادم بلخی) بقید حیات ہیں۔ بی بی رسولن مرحومہ کے والد کا شجرہ درج کیا جاتا ہے جن کا تعلق فتوحہ کے خاندان بلخیہ سے تھا اور جن کی شادی حضرت مولانا امین اللہ رحمتہ اللہ علیہ بن حضرت مولانا سید امیر الحسنؒ کی صاحبزادی بی بی وصیحن مرحومہ سے ہوئی۔ بعد میں وہ فتوحہ سے پٹنہ آکر بس گئے۔

بی بی رسولن مرحومہ زوجہ سید فصیح الدین بلخی مرحوم کے والد ڈاکٹر سید محمد وارث مرحوم کا نسب نامہ۔

اولاً سید مخدوم حافظ فردوسی بن حضرت مخدوم ابراہیم المعروف بہ مخدوم سلطان بلخی جن کا سلسلہ وار نسب نامہ اس طرح ہے:

مخدوم حافظ بلخی

↓

مخدوم جیون بلخی

↓

مخدوم فرید بلخی

↓

مخدوم دیوان شاہ دوست بلخی

↓

مخدوم شاہ نور محمد بلخی

↓

حضرت شاہ مخدوم علیم الدین بلخی فردوسی (اول) بہ عہد اورنگ زیب در ۱۰۹۳ھ ۱۶۸۴ء

↓

شاہ غلام معز بلخی فردوسی۔ در فتوحہ سکونت اختیار کردند

↓

سید شاہ محمد تقی بلخی فردوسی (اول)

↓

سید شاہ غلام شرف بلخی

↓

ڈاکٹر سید محمد وارث بلخی (جن کی شادی بی بی وصیحن بنت سید شاہ امین اللہ بن سید شاہ امیر الحسن سے ہوئی)

[illegible]

↓ زوجہ سید شاہ شمس الدین زوجہ سید محمد بعید رئیس زوجہ سید رحیم الدین زوجہ سید رحیم الدین بلخی زوجہ دوئم فصیح الدین بلخی

سید امین اشرف ابن سید نور الدین خسرو دیوی نیز ھی گھاٹ ابن سید شاہ فری الدین یکتا مرحوم

برطانوی سرکار کے خلاف عدم تعاون کی تحریک اور بلخی صاحب :

ہندوستان تشریف لانے کے بعد کچھ ہی دنوں تک مرحوم اپنے گھر بیٹھ سکے۔ چنانچہ ۵.۱۲.۱۹۲۰ کے پروانہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مرحوم ضلع مو [illegible] میں سرکل افسر ہوگئے۔ کچھ ہی دنوں بعد مرحوم کو جونپور میں ڈپٹی مجسٹریٹ کا عہدہ ملتا ہے لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان کا ہر مسلمان خلافت کی تحریک سے متاثر تھا گاندھی جی کی عدم تعاون برطانیہ کی تحریک (NON-CO-OPERATION MOVEMENT) کا زور تھا۔ مرحوم کے سب سے بڑے بھائی حضرت حفیظ الدین بلخی بھی پکے نیشنلسٹ تھے۔ مرحوم بھی نیشنلزم کے جذبہ سے کافی متاثر ہو چکے تھے۔ چنانچہ اسی کے نتیجہ میں مرحوم نے بھی ڈپٹی مجسٹریٹ کا عہدہ قبول کرنے سے انکار کردیا اور جو زمین قلعہ رہتاس کے پاس ملی تھی اُسے بھی واپس کردیا۔ مرحوم کی شریک حیات کا کہنا ہے کہ مرحوم اس قدر نیشنلسٹ تحریک (NATIONALIST MOVEMENT) سے متاثر ہوئے کہ گھر میں سبھوں کو کھدر پہننے کیلئے کہا گیا۔ خود بھی جتنے انگریزی لباس تھے ان کو چھوڑدیا۔ نوکری کرنے کا خیال ترک کردیا۔ کچھ دنوں تک گھر کی پونجی کھائی گئی۔ پاس میں جو کچھ جائیداد تھی وہ فروخت کی جانے لگی۔ آخر بڑے بھائی کے مشورے سے سبھی بھائیوں نے اپنی ساری جائیدادیں فروخت کردیں اور بارہ بنکی میں بس سروس (BUS SERVICE) کا بزنس شروع کیا گیا۔ کچھ دنوں تک یہ کاروبار چلتا رہا، لیکن دیش بھگتی کی فضا میں انگریزوں کے مظالم کے آگے یہ پنپ نہیں سکا۔ وجہ یہ تھی کہ اس کے کئی ملازم تحریک عدم تعاون کے سرگرم رکن تھے۔ اور اس تحریک میں سرگرمی دکھانے کے نتیجہ میں انہیں حکومت برطانیہ نے گرفتار کرلیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ یہ کاروبار ایک دم بیٹھ گیا۔ مرحوم اپنے وطن واپس تشریف لائے۔ یہ سارے واقعات ۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۵ء کے درمیان کے ہیں۔ معاشی بحران میں سارا خاندان مبتلا ہوگیا۔ مرحوم کی شریک حیات کا کہنا ہے کہ یہ زمانہ مرحوم اور ان کی زندگی کا بدترین دور تھا۔

آخر ۱۹۲۵ء میں مرحوم ریاست سرائے کیلا میں جاکر ملازمت کرلیتے ہیں۔ پروانہ ملازمت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شروع شروع میں مرحوم اسسٹنٹ سٹلمنٹ آفیسر کی حیثیت سے ریاست سرائے کیلا میں ملازم ہوئے ہیں۔

sarai killa

5.12,25

To Mr Fasihuddin Balkhi,Asstt.settlement officer,Sarai killa state

Dear sir,

Your immediate presence is urgently required here to translate some important Urdu,Persion documentsof this state so you are requested to come here by this evening.

Your's sincerely
A.P.Singh Deo
Jubraj of Sarai killa

Forwarded in original to the settlement officer sending a special massengers to recall the A.S.O.Mr Balkhi toHd Qr,bythis evening and to arrange the needful.

A.P.Singh Deo
Jubraj of Sarai killa

بعدہ مرحوم مجسٹریٹ، ریونیو افسر اور اڈیشنل فارسٹ سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر فائز ہوئے ہیں جیسا کہ پروانہ ملازمت سے ظاہر ہوتا ہے۔[۱]

مرحوم ۱۹۴۷ء تک ریاست سرائے کیلا میں بہ سلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ بیس برس سے کچھ زیادہ کا یہ طویل عرصہ مرحوم کی زندگی کے ایک اہم باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان سے تعلق رکھنے والے بیشتر واقعات میری آنکھوں دیکھے حال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں نے اس طویل عرصہ میں مرحوم کے کردار کے کئی روپ کو دیکھا ایک فرض شناس و فادار ملازم، ایک کامیاب ایماندار اور چابک دست افسر اور ایک کامل انسان۔ مرحوم کے کردار کی ان خصوصیتوں پر اُن واقعات سے اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے جن میں سے چند کا ذکر سطور ذیل میں کیا جا◆۔

یعقوب ڈاکو اور بلخی صاحب:- مرحوم جن دنوں سرائے کیلا میں مجسٹریٹ کے عہدہ پر معمور تھے۔ یعقوب نامی ایک کوہستانی ڈاکو اور اس کے گروہ والوں نے صرف

۱۔ Office of the Maharaja and rulling Chief of the Sarail kella . Feudatory State.19.3.26.

"Mr Fasihuddin Balkhi is oppointed as revenue officer of Karai kella Pir of this state on a salary of 125/-and travelling allowance according to C.S.R. wilth effect from the 19th March 1926until further order.He is vested with the power of the third class Magistrate and with power to try civil,Revenue Execution and Miscellaneous care.Up to value of Rs 100,of Karaikilla Pir.

He is to excersise the function of a police magistrate etc so for as the Karaikilla Pir is concerned.

He is also appointed as Additional Forest Superentendent and Head officer of Tanzi and Treasary Department of Karaikella Pir

اسٹیٹ ہی میں اودھم نہیں مچا رکھا تھا بلکہ سارا چھوٹا ناگپور اُن ڈاکوؤں سے عاجز تھا۔ برطانوی حکومت بھی اس کی تباہ کاریوں سے پریشان تھی۔ چنانچہ اس کی زندہ یا مُردہ گرفتاری کیلئے اسٹیٹ اور برٹش حکومت دونوں نے انعام کا اعلان کیا تھا۔ نہ معلوم کتنی کوششیں کی گئیں۔ لیکن کوئی بھی اسے گرفتار نہیں کر سکا۔ سننے میں یہ بھی آیا کہ اس کی گرفتاری کی مہم میں گاہے گاہے افسر اور پولیس والے کام بھی آئے۔ یعقوب اپنے جانبازوں کے ساتھ ریاست سرائے کیلا کے ایک جنگل میں رہتا تھا۔ اس کے جانباز لوگ ہمیشہ خطرناک ہتھیاروں سے مسلح رہتے تھے۔ اچانک موقع پا کر ادھر اُدھر ڈکیتی کرتے تھے اور پھر اُسی جنگل میں جا کر چھپ جاتے تھے۔

اسٹیٹ نے اس کی گرفتاری کا کام مرحوم کے سپرد کیا۔ مرحوم کو کرائے کیلا میں ایک خو ◆ بنگلہ رہنے کیلئے ملا ہوا تھا۔ اُسی سے متصل کچہری COURT کا دفتر بھی تھا۔ مرحوم کے سپرد اسٹیٹ کی مسلح پولیس (ARMED FORGE) کا ایک دستہ کر دیا گیا تھا۔ جو اُسی کورٹ کے پاس پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ •

مرحوم ایک روز اسی مسلح پولیس کے دستہ کو لیکر اس جنگل کی طرف چل پڑے جو اُن ڈاکوؤں کی جائے پناہ بنا ہوا تھا۔ سی۔ آئی۔ ڈی والوں نے پوری پوری خبر دے رکھی تھی کہ یعقوب اس جنگل میں موجود ہے۔ لیکن اُن غاروں کا پورا علم اُنہیں نہیں ہو سکا تھا جہاں سے چھپ کر یہ ڈاکو پولیس والوں پر تیر اور گولیوں کی بارش کرتے تھے۔ بہر حال مرحوم نے دھاوا بول دیا۔ لیکن غاروں کے نزدیک جاتے ہی ہر چہار طرف سے تیروں اور گولیوں کی بارش ڈاکوؤں نے شروع کر دی۔ سپاہیوں نے ہمت توڑ دی۔ تین سپاہی ہلکے طور پر زخمی بھی ہوئے مگر مرحوم آگے ہی بڑھتے گئے۔ یہ مہم یوں تو کامیاب نہیں ہوئی لیکن مرحوم نے جنگل اور اُن غاروں کی ہر پوزیشن کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ اس مہم میں ایک تیر مرحوم کے ہیٹ میں آکر لگا۔ مرحوم اپنے دستہ کے ساتھ واپس آگئے۔

سپاہیوں نے یہ سمجھا تھا کہ دوسرے دن مرحوم پھر اُنہیں دھاوا بولنے کے لئے کہیں گے لیکن کئی روز تک وہ پڑاؤ ڈالے رہے اور مرحوم کی جانب سے کوئی حکم صادر نہیں ہوا۔

اچانک ایک دن نصف شب سے کچھ پہلے مرحوم نے سپاہیوں کو جنگل کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ غالباً سی۔ آئی۔ ڈی سے رپورٹ یہ ملی تھی کہ یعقوب کے بہت سارے ساتھی جنگل میں نہیں لیکن یعقوب موجود ہے۔ مرحوم چونکہ کئی دنوں تک خاموش بیٹھ گئے تھے لہذا ڈاکوؤں نے غالباً یہ سمجھ

لیا تھا کہ سر دست خطرے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ وہ کچھ بے خبر سے تھے۔ پھر بھی ان لوگوں کے اچانک حملہ آور ہونے پر وہ چوکنا ہو گئے مگر ان کو ہتھیار ڈال دینا پڑا۔ غاروں کے ارد گرد جوڈاکو پولیس والوں کا مقابلہ کر رہے تھے جنگلوں میں بھاگ گئے۔ حملہ آور جیکوب کے غار تک پہونچ گئے۔ اب غار کے اندر جانے کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی ہے۔ آخر کار راجو نامی ایک سپاہی نے مرحوم کا ساتھ دیا۔ یہ دونوں جب آگے بڑھے تو اور سپاہی بھی غار کے اندر داخل ہوئے باقی پہرہ دیتے رہے۔ غار کے اندر یعقوب کا کہیں پتہ نہیں لگا۔ ڈھونڈھنے پر ایک گوشہ میں چھپا ہوا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پستول بھی تھا۔ لیکن اس نے گولی نہیں چلائی۔ شائد اس لئے کہ غار میں داخل ہوتے ہی سپاہیوں نے گولی چلانے کی دھمکی دی تھی۔ مختصر یہ کہ یعقوب اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر کے باہر لایا گیا جب پولیس والے مرحوم کی سرکردگی میں یعقوب کو گرفتار کر کے واپس لوٹ رہے تھے تو جنگل میں چھپے ہوئے اس کے ساتھیوں نے یعقوب کو چھڑانے کی ناکام کوشش کی۔ لیکن سپاہیوں کی سنگینوں اور رائفلوں کے آگے بھاگ کھڑے ہوئے۔

یعقوب گرفتار کر کے اسی کچہری میں لایا گیا۔ ہاتھ میں ہتھکڑیاں تھیں اور وہ پابہ زنجیر تھا۔ یعقوب پر قتل و غارت کے بیشمار الزامات تھے۔ اسے عمر بھر کی قید کا حکم سنایا گیا۔ سنتے ہیں کہ یعقوب نے جیل میں برے کاموں سے توبہ کر لی تھی لیکن وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکا اور جیل میں مر گیا۔

مرحوم کو اس بہادری کے سلسلے میں اسٹیٹ کی جانب سے ایک بہترین ولایتی بندوق، مبلغ ۱۱۵۰ روپے اور ایک سونے کی انگوٹھی، ایک قیمتی یاقوت جڑا کڑا ملا۔ نیچے دی ہوئی نقل شدہ سند سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

Maharaja Udit Narayan Singh Deo,
Ruling Chief,
Sarai Kella Feudatory State
Maulvi Fasihuddin Balkhi
Revenue Officer ,Sarai Kella

This gun and Rs.1150 are hereby presented to you in recognition to your loyal and meritorious service in SeraiKilla. Sd/ Illegible

ChiefDated Maharaja and Rulling

The 8th October 1927 Seraikella

راج دربار اور بلخی صاحب: ریاست سرائے کیلا کے راج دربار کا ذکر بھی لطف

سے خالی نہیں دربار لگنے کی اہمیت صرف یہی نہیں تھی کہ ریاست کی شان و شوکت بر قرار رہے۔ اس کے کئی مقاصد ہوتے تھے۔ اڑیسہ اور بہار سے تعلق رکھنے والی دوسری ریاستوں کے نمائندے بھی ایسے موقع پر مدعو کئے جاتے تھے تاکہ قرب وجوار کی تمام ریاستوں میں باہم خلوص کا ربط بر قرار رہے۔ راج دربار کی روئیداد اسٹیٹ گزٹ میں شائع ہوتی تھی اگر ایک نزدیکی ریاست کے دربار کی خبر پڑوسی ریاست کو نہیں ملتی تو اسے وہ ریاست حاصل کرنے کی کوشش کرتی تھی مثلاً جن دنوں بلخی صاحب مرحوم ڈھینکانال اسٹیٹ میں سرائے کیلا سے بھیجے ہوئے خاص تقرری پر on deputation تھے۔ وہاں کے دربار کی کارگزاریاں سرائے کیلا ریاست کو نہیں مل پائی تھیں۔ چنانچہ سرائے کیلا کے ڈسٹرکٹ اور سیشن جج شری سی۔ ایم۔ مہنتی خصوصی خط بلخی صاحب کو لکھ کر ڈھینکانال دربار کے اسٹیٹ گزٹ کی کاپی مانگتے ہیں۔ [1]

دوسری بات یہ کہ دربار کی حیثیت ایک اہم اجتماع کی ہوتی تھی تاکہ رعایا اور ریاست کے باہمی تعلقات خوشگوار رہیں تیسری اہمیت دربار کی یہ تھی کہ ریاست کی فلاح و بہبود کو مد نظر رکھا جائے۔ چوتھی اہمیت ایسے درباروں کی یہ تھی کہ ریاست کے کارکنوں، عملوں اور کارندوں کی کارگزاریاں سبھوں کے سامنے آئیں۔ پانچویں اہمیت یہ تھی کہ حکومتِ برطانیہ اور ریاست کے باہمی تعلقات خوشگوار رہیں۔ دربار کے مواقع پر ریاست کی رعایا مہاراج کو نذرانہ بھی پیش کرتی تھی۔ مہاراجہ اپنے جن افسروں، کارندوں اور ساتھیوں سے خوش ہوتے تھے انھیں انعام و اکرام سے بھی نوازتے تھے۔ بلخی صاحب کو جو ایک ولایتی بندوق اور مبلغ ۱۵۰ روپے ۸/ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو ملے تھے اس کا اعلان اور اس کی پیش کش ایسے ہی دربار میں ہوئی تھی [12] اس وقت بوڑھے مہاراجہ ادت نرائن سنگھ دیو رولنگ چیف تھے اور انھیں کے مبارک ہاتھوں نے یہ چیزیں بلخی صاحب مرحوم کو پیش کی تھیں۔ ۱۹۲۹ء کے بھی دربار میں ان کی دیانت داری نمایاں کارکردگی اور لیاقت کے پیش نظر ایک سونے کا کڑا ملا تھا جس میں ایک یاقوت اور چھوٹے چھوٹے موتی جڑے ہوئے تھے۔ مہاراجہ ادت نرائن سنگھ کی وفات کے بعد جتنے درباروں کا جشن منایا گیا، ریاست سرائے کیلا کی تاریخ میں اہمیت رکھتا ہے۔ دربار کا

1.7.11The Seraikella My dear Mr.Bulkhi TheDhukanlal Darber has been issuing state guzatter kindly inquire and unform me the following (1) weather the guarentee has been sugessted ...... send it by post (2) copy of the order of the Durbar ...(3) The publications of notices...

yours sincierly

C.M.Mohanty D.J

جشن منانے کی تیاریاں بہت پہلے شروع ہو جاتی تھیں۔ جتنے افسران تھے انھیں بہت پہلے باخبر کر دیا جاتا تھا تاکہ وہ اپنے اپنے ذِمّہ کے کاموں کے سلسلے میں چوکس ہو جائیں۔ دربار کا پنڈال راج محل ہی کے احاطہ میں بنایا جاتا تھا۔ ریاست سے متعلق کوئی بھی اہم اعلان مہاراجہ اسی دربار میں کرتے تھے۔ مہاراجہ ادت پرتاپ سنگھ کے "ابھینکا" کے موقع پر جو دربار لگا اس کے پروگرام کا ترجمہ نیچے پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے دربار کے تزک واحتشام کا اندازہ ہوگا۔

پروگرام (ترجمہ انگریزی سے)

مورخہ ۱۲۔ مئی ۱۹۳۲ء کو مہاراجہ آدت پرتاپ سنگھ دیو کے "ابھیکا" کا جشن اور دربار

جشن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وقت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جگہ

ا۔ ابھینکا کا جشن۔ ۵ بجے صبح سے ۱۰ بجے دن تک۔ گول برامدہ بلڈنگ ہال

۲۔ راج محل کے مقدس مقامات کی سیر۔ ۱۰ سے ساڑھے ۱۰ دن تک۔ ---

۳۔ پہلی بھیتی۔ پجاریوں وغیرہ کے ذریعہ۔ ساڑھے ۱۰ بجے دن سے ساڑھے ۱۱ بجے دن تک۔

۴۔ تیار شدہ فہرست کے مطابق دوسری بھیتی۔ ساڑھے ۱۱ دن سے ۲ بجے دن تک۔ --

۵۔ برہمن بھوج۔ ۳ بجے دن سے ۵ بجے شام تک۔ --

۶۔ مہاراجہ کی مع اہل خاندان برہمنوں، سرکاری ملازموں (خواہش مند ہوں) کے ساتھ مندر یاترا۔ ۵ بجے شام سے ۷ بجے شام تک۔ گول برامدہ بلڈنگ ہال۔

دربار

۷۔ ساڑھے ۷ بجے شام سے اختتام تک راج محل پنڈال میں

الف۔ سارے درباریوں کو ساڑھے ۷ بجے شام تک اپنی جگہ لے لینی چاہئے۔

---

۱۲ ان دنوں بلخی صاحب مرحوم اپنے وطن محض چند دنوں کے لئے اشد ضروری خانگی کاموں کے لئے گئے تھے وہ اپنے خسر محترم ڈاکٹر سید محمد وارث بلخی کے یہاں محلہ دوندی بازار میں مقیم تھے۔ چنانچہ انھیں تار دیکر بلوایا گیا مہاراجہ کے خصوصی سیکریٹری نے ۵؍اکتوبر ۱۹۲ء کو تار دیا جسکی نقل نیچے ملاحظہ ہو۔

To Fasihuddin Bulkhi C/o Dr.S.M. Waris Bulkhi Doondi Bazar Patna City Juhraj Desires Yours Presence pasiontly (.) Durhar 8th on Saturday next(.) Gan to be presented for your good services (.) come at state ixpenses (.) Bring wahi flower one basket (.)

Private Secretary, Saraikilla

ب۔ مہاراج، رولنگ چیف کی تشریف آوری کے وقت سارے درباریوں کو کھڑا ہو جانا چاہئے۔ نو عدد بندوقیں داغ کر مہاراجہ کو سلامی دی جائے گی۔ اور موجودہ بینڈ پارٹی "راج و جے" کا دھن چھیڑے گی۔

ج۔ مہاراجہ کا اولین اور خصوصی معاون۔ رولنگ چیف سے دربار شروع کرنے کی مودبانہ اجازت طلب کریگا۔ حکم سے سرفراز ہونے کے بعد وہ تخت کے ارد گرد سارے درباریوں کو آداب بجالانے کی ہدایت کریگا۔ پہلے سے تیار شدہ فہرست کے مطابق درباریوں کو یکے بعد دیگرے ایسا حکم صادر کریگا۔

د۔ وہ سارے درباری جنکی حیثیت، افسران، ملازمان، خطاب یافتگان کی ہے اُنہیں مہاراجہ بہادر رولنگ چیف کو نذرانہ پیش کرنا ہو گا تاجران اور دوسرے درباری بھی نذر پیش کر سکتے ہیں۔ ایسی حالت میں اُنہیں سپاس سے نوازا جائے گا۔

ر۔ دیگر ملازمین اور چنڈال اپنے سرداروں کی ماتحتی میں کلکٹریٹ کے افسران کے ذریعہ حضور مہاراجہ سے متعارف کرائے جائیں گے۔ اور وہ لوگ احترام و سلامتی کی رسم تیار شدہ فہرست کے مطابق ادا کریں گے۔

س۔ ٹھیکیداروں کو بھیتی کے لئے رسم کے مطابق عمل پیرا ہونا ہو گا۔ لیکن الگ الگ تھال الگ الگ پیڑ (گاؤں) کے افسران کے لئے رکھا جائیگا۔

ص۔ عطر اور پان، راج محل کے خصوصی منیجر کے ہاتھ سے راج فیملی کے لوگوں کو پیش کیا جائیگا۔ مہاراجہ کے خصوصی نائب عطر اور پان، مہاراجہ، افسران اور دوسرے خصوصی درباریوں کو پیش کریں گے۔

ط۔ رولنگ چیف مہاراجہ کے خصوصی نائب، اسکے بعد تخت پر جلوہ افروز مہاراجہ سے اختتام دربار کے حکم کی مودبانہ گذارش کریں گے۔

ع۔ جس وقت مہاراجہ دربار کے شامیانہ سے تشریف لے جائیں گے سبھوں کو باادب بلاملاحظہ دست بستہ کھڑے رہنا ہو گا جب تک کہ حضور عالی دربار کو برخواست کر کے تشریف نہیں لے جائیں گے۔

بلخی صاحب کا پورنے اسٹیٹ کیلئے اسسٹنٹ کلکٹر ہونا: سطور بالا میں ریاست سرائے کیلا کے راج دربار کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے۔ بوڑھے مہاراجہ آدت نرائن سنگھ دیو بڑے ہی مردم شناس انسان تھے چنانچہ جب تک وہ زندہ رہے بلخی صاحب مرحوم کو اپنا عزیز رکھا۔ انکی خصوصی درباریوں میں انگریزی یا خصوصی مہمان ہوا کرتے تھے۔

وفات کے بعد گدی پر مہاراجہ آدت پرتاپ سنگھ دیو بیٹھے، بوڑھے مہاراجہ کے وقت "جراج" کہلاتے تھے۔ جب یہ گدی پر بیٹھے تو ان سے بھی آخر آخر تک بلخی صاحب مرحوم کے بڑے اچھے تعلقات رہے۔ یہ عمر میں بلخی صاحب مرحوم سے چھوٹے تھے لہذا اُنہیں (بلخی صاحب کو) پہلے مہاراجہ کا صرف نمک خوار ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ بزرگی اور خوردی کو بھی مد نظر رکھتے تھے۔ مہاراجہ آدت پرتاپ سنگھ دیو نے یہی وجہ ہے کہ بلخی صاحب کو انکی صلاحیتوں اور کارگذاریوں کے پیش نظر ۲۵/دسمبر ۱۹۳۰ء کو پورے اسٹیٹ کا اسسٹنٹ کلکٹر بنادیا۔ ۱

مہاراجہ آدت پرتاپ سنگھ دیو اکثر و بیشتر بلخی صاحب کو کرائے کیلا سے سرائے کیلا اصلاح و مشورہ کے لئے بلاتے تھے۔ جب بھی دربار کا اہم جشن منایا جاتا تو اس موقع پر بلخی صاب مرحوم کی خاص حیثیت رہتی تھی باہر کے مہمان یا برطانوی حکام کی آمد پر انہیں خصوصی طور پر یاد کیا جاتا تھا۔ مہاراجہ اور ان کے حکام کی باہمی ملاقات جسکی خفیہ حیثیت رہتی تھی بلخی صاحب مرحوم بھی اس میں پیش پیش رہتے تھے۔ ریاست کے وقار سے متعلق امور کوئی سنگین صورت اختیار نہ کریں اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے مہاراجہ جن جن لوگوں پر اعتماد کرتے تھے ان میں سے ایک بلخی صاحب بھی تھے۔ ۱

---

1. NOTIFICATION
(APPOINTMENT DEPARTMENT) Saraikilla
25.12.1935
Mr.F.Bulkhi,Revenue officer of Karaikilla is here by appointed as Assistant Collector of the state. He is also until further orders, vested with the powers of Additional Registrar under the certificate officer published and recovey act and state registration rules.
Memo number 190 E sd/ A.P. Singh Deo
Dated Saraikilla the 26th Dec 1935 Maharaja and Ruling Chief Saraikilla
K.C.Jaisher 251 R/G/III Recieved on 2.1.1936 Sd/ F. Bulkhi S.d/ A.P.Singh Deo Maharaja & Ruling chief Saraikilla.

2. Foreign and political Department Saraikilla State The 1st April 1940
The following officers are hereby orderd that they should be presented at the Guest House on April 3rd at 10.45 A.M to have interviews with the resident for the Eastern States
(1) Sri C.N.Mohanty -- Distt & Session Judge (2) Kumar H.P.Singh Deo -- Collector (3) Sri G.S.Panda -- Development Secretary (4) -- Sri F.Bulkhi Asstt. Collector & R.O (5) Dr. C.S.Sarkar e.s (6) Kumar R.P.Simgh Deo -- S.P. (7) Sri B.K. Das Gupta State Engineer P.W.D
B.G.B.-- 1/4 Sd/ -A.P.Singh Deo
Maharaja of Saraikilla

ریزیڈینٹ بہادر یا پولیٹیکل ایجنٹ فار اسٹیٹ کے ملاحظہ کے وقت مرحوم کے زیادہ تر اوقات سرائے کیلا میں ہی گزرتے تھے۔ان لوگوں کے جانے کے بعد ہی مرحوم کو آرام کا موقع ملتا تھا۔ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ملاحظہ کے دوران ریزیڈینٹ بہادر اور سیاسی امور کے ایجنٹ مہاراجہ سے ناراض ہوگئے اور وائسرائے بہادر کے یہاں ہی توہین آمیز تحریر میں شکائت کی۔ مہاراجہ کو جب معلوم ہوا تو متفکر ہوئے بلخی صاحب کو بلوا بھیجا۔بلخی صاحب نے مہاراجہ سے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں اس توہین آمیز تحریر کی روشنی میں شہنشاہ انگلستان کے نام میں ایک عرض داشت بطور میمورینڈم تیار کرتا ہوں امید قوی ہے کہ حکومت برطانیہ اس کی روشنی میں ہوشمند قدم اُٹھائے گی اور اس سے ایسی تحریر لکھنے والے کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑیگا اگر اس پر بھی معاملہ نہیں سلجھا تو ٹکیت صاحب یا کوئی راج فیملی کارکن خود انگلینڈ اسی کام کے لئے جائیگا۔اس میمورنڈم میں ریاست سرائے کیلا کی تاریخ کا نچوڑ پیش کیا گیا تھا اس کا اہم جملہ یہ تھا" یہ عزت مآب مہاراجہ کی شان میں تحقیر آمیزی ہے جنکی حیثیت ایک خود مختار کی ہے اور جن کے تعلقات حکومت برطانیہ سے نہایت ہی خوشگوار ہیں۔"

It is derogatory to Highness ,the this Maharaja of saraikilla,who is a ruling chief and whom relation whose with the British Empire are highly coordial.

اس میمورینڈم کا یہ اثر ہوا کہ حکومت برطانیہ نے وائسرائے کو ہدایت کی کہ آیندہ سے ایسا نہ ہونے پائے اور ذمہ دار شخص کو واپس بلا لیا۔

مہاراجہ کی ایک بہن کی شادی مہاراجہ پٹیالہ ۱؎ اور دوسری بہن کی شادی مہاراجہ دیو سے ہوئی تھی۔ان دونوں شادیوں کا جشن نہایت ہی تزک واحتشام کے ساتھ منایا گیا تھا اور بلخی صاحب کو ان لوگوں میں رکھا گیا جن میں زیادہ تر لوگ راج فیملی کے تھے اور جن کے ذمہ شادی کے اہم انتظامی امور تھے۔شادی کے بعد نوشاہ اور سمدھیانے کے اہم لوگوں نے گھومنے کی خواہش کی بلخی صاحب ہی

1. ORDER Dated Saraikilla the 7th.Feb.1933

Mr. F.Bulkhi ,R.Q, Karaikilla is hereby directed to come here immediately and report before the under signed to join the special Duty in connection with the marriage

Sd/ Ighlą

Tikayet Saheb and the vice president
state council Saraikill State

نے ان لوگوں کی ٹاٹا نگر کے کارخانے اور دوسری اہم جگہوں کی سیر کرائی۔ سارے اخراجات سرائے کیلا اسٹیٹ نے برداشت کئے اور سارے روپے بلخی صاحب کے ہاتھ سے خرچ ہوئے۔

بلخی صاحب شہر گیا میں : مہاراجہ دیو کے انتقال کے بعد ان کی دورانیوں میں وراثت کا جھگڑا شروع ہوا۔ بلخی صاحب مہاراجہ سرائے کیلا کی بہن کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کے لئے متعین کئے گئے۔ بلخی صاحب پر مہاراجہ کا اسقدر اعتماد تھا کہ اگر دوسرے اسٹیٹ والے کسی دشوار مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مہاراجہ سرائے کیلا سے مدد طلب کرتے تھے تو مہاراجہ آدت پرتاپ سنگھ دیو بھی اور آنجہانی سابق مہاراجہ آدت نرائن سنگھ دیو بلخی صاحب ہی کو ایسے کاموں پر مامور کرتے تھے ۔چنانچہ آنجہانی مہاراجہ آدت پرتاپ سنگھ دیو کے وقت جب کے وقت جب مہاراجہ مہاراجہ راور کیلا کو عارضی طور پر ایک اسٹیٹ سٹلمنٹ آفیسر کی ضرورت پڑی تو انھوں نے مہاراجہ سرائے کیلا سے گزارش کی کہ وہ بلخی صاحب کو بھیج دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا[1]اسی طرح اڑیسہ کے دوسرے اسٹیٹ ڈھنکانال میں بھی بگڑے ہوئے حالات کو جب سدھارنے کی ضرورت پڑی تو مہاراجہ سرائے کیلا کے ذریعہ بلخی صاحب مرحوم کی خدمت حاصل کی گئی جس کا ذکر بعد میں آئیگا۔

بہر کیف بلخی صاحب مرحوم گیا بھیج دئے گئے اور وہاں کافی دنوں تک رہے یہ واقعہ ۱۹۳۴ء-۳۵ کا ہے بلخی صاحب گیا میں اپنے ایک پرانے دوست اور رئیس شہر مولوی روح اللہ صاحب مرحوم (واقع محلہ دھامی ٹولہ) کے مکان میں اپنی فیملی کے ساتھ رہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ان ہی

1 . Office of the Raja and Ruling chief of theFeudatory state of Rairkhol
MEMO no. 627
Dated Rairkhola the 22nd 23rd Nov 1929

To

F.Bulkhi Magistrate Saraikilla

You are hereby informed that you have been appointment Assistant Settlement Officer of my state on a pay of 180/-10/-200 plus Rs.40 fixed Travelling Allounces per month and that you will be provided with free state quarters .

You are there fore directed to join the appointment at onceand report yourself to the under sign.

Rairkhola via Sambalpur,B.N.Rly

Sd/Illigible
Raja and Ruling chief
Rairkhola Feudatoy State

دنوں بلخی صاحب کے منجھلے بھائی ا عزیزالدین بلخی مرحوم کا انتقال ہوا۔ اس حادثہ کا بلخی صاحب پر بہت گہرا اثر پڑا۔ وہ ہم لوگوں کو وہیں گیا میں چھوڑ کر (اسلئے کہ میری والدہ مرحومہ، علیل تھیں) تار پاتے ہی پٹنہ روانہ ہوگئے ہم لوگ بعد میں پٹنہ گئے۔

گیا میں جب تک بلخی صاحب رہے اپنے کاموں سے فرصت کے اوقات اپنا زیادہ وقت ادبی صحبتوں میں گزارتے تھے۔ بہت سارے گیاوی اہل قلم انکے گہرے دوستوں میں تھے۔ خصوصی طور پر بسمل سنبھاروی مرحوم، سریکا بری، انجم مانپوری مرحوم، قمر گیاوی مرحوم، آنجہانی اودھ کشور کشتہ وغیرہ۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان مذکورہ بالا حضرات میں سے بیشتر شام کے وقت مولوی روح اللہ صاحب مرحوم کے مکان پر (جہاں بلخی صاحب اپنی فیملی کے ساتھ مقیم تھے) تشریف لاتے تھے۔ شعر و شاعری کا دور بھی چلتا تھا اور علمی و ادبی مذاکرے و مباحثے بھی ہوتے تھے۔ ان دنوں انجم مانپوری مرحوم کے رسالہ "ندیم" کا طوطی بولتا تھا۔ بلخی صاحب مرحوم کے مضامین بھی اس میں شائع ہوتے تھے۔ "ندیم" کے بہار نمبر میں انکا مضمون "بہار اور منیر میں مسلمانوں کی آمد" اور "قلعہ رہتاس کی تاریخ" (جو دوسرے نمبر میں شایع ہوا) جہاں تک مجھے یاد ہے بلخی صاحب مرحوم نے گیا ہی میں لکھا تھا۔ چنانچہ ان ہی دونوں مضامین کی روشنی میں وہ بحیثیت، مورخ ہندوستان میں روشناس ہوئے۔ بلخی صاحب کے یہ گیاوی دوست بھی مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ خصوصی طور پر قمر گیاوی مرحوم جو میرے لئے مٹھائیاں بھی لاتے تھے۔ قمر صاحب ریلوے میں ملازمت کرتے تھے۔ گیا ہی سے نزدیک کے کسی چھوٹے ریلوے اسٹشن میں وہ اسٹشن ماسٹر تھے۔ چنانچہ جب بھی وہ تشریف لاتے تھے اپنے ساتھ کابلی جھنگری (ہرا چنا) کا بھی ایک بوجھا لاتے تھے اور مجھے بلا کر پیار سے میرے سر پر رکھ دیتے تھے۔ میں اسی طرح لئے ہوئے اپنی والدہ مرحومہ کے پاس جاتا تھا جسکا مطلب یہ ہوتا تھا کہ قمر صاحب تشریف لائے ہیں اور انکے کھانے کا انتظام کرنا ہے۔ علم و ادب کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ ہاں! غزل خوانی کا دور جب شروع ہوتا تھا تو خاموشی کے ساتھ لطف لیکر کلام سنتا تھا۔ اشعار کی معنویت تو پلے نہیں پڑتی تھی لیکن طبعیت میں گدگدی پیدا ہوتی تھی اور جی چاہتا کہ میں بھی شعر کہوں۔ قمر صاحب قطعات تاریخ کہنے میں بہت ماہر تھے۔ عزیزالدین بلخی مرحوم کی وفات پر جو قطعہ انہوں نے لکھا اسکا مادۂ تاریخ مزار جنتی بلخی تھا۔ اس پورے قطعہ تاریخ کو نیچے درج کیا جاتا ہے۔

ا مولف "پانچ شعرائے بہار" اور "انسان کی پرواز"

عزیزالدین بلخی اٹھ گئے دنیائے فانی سے | وہ بلخی کون جو تھے صوفیوں میں ادھمی بلخی
قمر خادم ہے تو اولادِ ابراہیم ادھم کا | دعائے مغفرت کر حق سے بہر متقی بلخی
سرِ مدفن ندا آتی ہے یہ زائر کے کانوں میں | پڑھو تم فاتحہ یہ ہے مزارِ جنتی بلخی ۱۳۵۳

قمر صاحب نے چار قطعاتِ تاریخ اس حادثہ پر قلم بند کیا۔

حمین دوسرے کا مادۂ تاریخ ہے ''بلخی حق شناس حیف عزیز ۱۳۵۳ھ

تیسرے کا مادۂ یہ مصرع ہے۔ میر دل صوفی عزیزالدین بلخی آہ آہ ۱۳۵۳ھ

چوتھے کا مادۂ تاریخ اس طرح عسوی سن میں ہے۔

قمر یہ سالِ مسیحی ہے مرگِ بلخی کا
چراغ بلخ یکایک یہ آہ آہ بجھا

۱۹۳۵ء

حفیظ الدین بلخی مرحوم کی وفات سے متاثر ہو کر دو قطعاتِ تاریخ قلم بند کئے جنہیں نیچے درج کیا جاتا ہے۔

قطعات تاریخ وفات مخدوم محترم مولوی سید شاہ حفیظ الدین بلخی فردوسی واد ھمیؒ (از نمک خوارِ قدیم قمر گیاوی)

صوفی نامی حفیظ الدین نے | ملکِ برما سے جناں کی راہ لی
کالے کوسوں تھے وطن سے آپ آہ | قبر بلخی حیف غربت میں بنی
تیسری شعباں کو وقت صبح آہ | چھپ گیا مرقد میں مہر ادھمی
رہ گئی دل میں یہ حسرت اے قمر | مرتے دم دیکھی نہ صورت آپ کی

رو کے لکھی ہے یہ تاریخ وصال
صاف باطن ہائے بلخی جنتی ۱۳۵۴ھ

ایضاً

خبر وطن میں یہ غربت سے آہ آئی ہے | جہاں سے اٹھ گئے افسوس ناگہاں بلخی
ادیب و ماہر علم معارفِ سالک | چراغ انجمنِ دین عارفاں بلخی
ہمہ پہر شرف نورِ حضرتِ ادھم | گل ریاضِ وطن فخر خانداں بلخی
جہاں کو آپ نے دوزخ سمجھ کے چھوڑ دیا | گئے ہیں دار فنا سے سوئے جناں بلخی

دیا ہے داغ جدائی حضور نے مجھ کو • اجل نے لوٹ لیا ہائے قدرداں بلخی
یہ میرے زیست کے دس دن غموں میں گذرینگے تمام عمر کریگا یہ دل فغاں بلخی
ہوئی جو فکر قمرؔ سال مرگ کی مجھکو
کہا یہ دل نے کہ فردوس آشیاں بلخی ۱۳۵۴ھ

بلخی صاحب مرحوم سے قمر گیاوی مرحوم کو ایک خاص انسیت تھی چنانچہ انھیں جب بھی موقع ملتا تھا بلخی صاحب کی ملاقات میں آجایا کرتے تھے۔ جن دنوں بلخی صاحب مرحوم گیا میں تھے قمر صاحب مرحوم اپنے فرصت کے اوقات کو ادھر ادھر نہیں گزارتے تھے بلکہ سیدھے بلخی صاحب ہی کے مکان پر چلے آتے تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے قمر صاحب مرحوم بلخی صاحب سے ملنے بخشی محلہ میں بھی آیا کرتے تھے محلہ باغ کالو خاں پٹنہ میں جن دنوں ہم لوگ مقیم تھے، وہاں بھی بلخی صاحب سے ملنے وہ سہسرام سے آیا کرتے تھے۔ محلہ گزری۔ لی۔ مزرلین میں بھی قمر صاحب مرحوم برابر آتے بلخی صاحب مرحوم کی وفات سے متاثر ہو کر انھوں نے کئی قطعات تاریخ کہے جن میں سے ایک کا مادہ تاریخ پورا مصرعہ "ہے ہے فصیح بلخی فیاض کامل انسان" ہے۔

مہارانی دیو مہاراجہ سرائے کیلا کی بہن کے انتقال کے بعد وراثت کا جھگڑا خود بخود ختم ہو گیا۔ بلخی صاحب مرحوم اس مقدمہ کے سلسلہ میں کافی دنوں تک گیا میں رہے۔ اپنے آفس کے کاموں سے فرصت پانیکے بعد بلخی صاحب شہر میں برائے سیر و تفریح بہت کم جایا کرتے تھے۔ اسلئے کہ شام ہوتے ہی انکی قیام گاہ پر یکے بعد دیگرے احباب تشریف لانا شروع کر دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ ایک اچھی خاصی علمی و ادبی محفل جم جاتی تھی اور کافی رات تک ان کے ذی علم احباب ان کی قیام گاہ پر موجود رہتے تھے اکثر ایسا بھی ہوا کہ بلخی صاحب مرحوم کے نہایت ہی پرانے اور جگری دوست مولانا عبدالرؤف ندوی اورنگ آباد سے تشریف لے آئے اور کئی دنوں تک بلخی صاحب کی قیام گاہ پر قیام کرتے۔

کرائے کیلا اور بلخی صاحب : بلخی صاحب مرحوم نے ماہ اپریل ۱۹۳۵ء میں گیا چھوڑا۔ مہاراجہ سرائے کیلا نے جب یہ دیکھا کہ دیو اور گیا میں بلخی صاحب کی موجودگی ضروری نہیں رہی تو انھیں سرائے کیلا بلا لیا۔ اس لئے کی ریاست سرائے کیلا میں بلخی صاحب کی عدم موجودگی بہتوں کو کھل رہی تھی مورخہ ۷ / مارچ ۱۹۳۵ء کے آفس آرڈر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مہاراجہ سرائے کیلا

انھیں سرائے کیلا سے باہر رکھنا نہیں چاہتے تھے [1]۔ کرائے کیلا کا ریلوے اسٹیشن سینی (SINI) ہے وہاں سے سرائے کیلا کی دوری کافی ہے۔ سرائے کیلا کا سب سے نزدیک ریلوے اسٹیشن چکر دھرپور چھ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ رانچی چائباسہ روڈ پر ہے۔ چائباسہ سے کرائے کیلا کا فاصلہ تئیس میل ہے اور رانچی سے کرائے کیلا چھیاسٹھ میل پر ہے۔ کرائے کیلا کے درمیان برطانوی حکومت کا علاقہ تھا۔ گویا کرائے کیلا کی حیثیت ایک سب ڈویژن جیسی تھی۔ جسمیں مجموعی طور پر پینسٹھ گاؤں تھے۔ ایکدم شروع میں بلخی صاحب مرحوم کو ایک تھرڈ کلاس مجسٹریٹ کا پاور ملا اور بعد میں سکنڈ کلاس کا پاور دیا گیا۔ پھر فرسٹ کلاس کا پاور دیا گیا۔

کرائے کیلا نہایت ہی پچھڑا علاقہ تھا۔ اتنے بڑے علاقہ میں ایک ڈاکٹر بھی نہیں تھا۔ کوئی اسکول نہیں تھا بلخی صاحب شروع شروع جب کرائے کیلا گئے تو سب سے پہلے اسی پہلو پر دھیان دیا۔ چنانچہ کچہری اور رہائشی بنگلہ سے نزدیک ایک مڈل اسکول کی عمارت بنائی گئی۔ اسکا نام سرائے کیلا راج مڈل اسکول پڑا اور کرائے کیلا رکھا گیا اس اسکول کے علاوہ ابتدائی اسکول بھی دوسرے گاؤں میں کھولے گئے۔ ایک دیہی ہسپتال بھی بنا جس میں ایک بنگالی ڈاکٹر (L.M.P) اور ایک کمپاؤنڈر کی تقرری ہوئی۔ پھر رہائشی بنگلہ کے سامنے سڑک کی دوسری جانب شعبۂ جنگلات کی ایک عمارت بنی اور ایک فارسٹر اور ایک رینجر کی تقرری ہوئی۔ کچہری سے نزدیک ہی شعبۂ معدنیات کے لئے ایک خام عمارت بنائی گئی۔

کرائے کیلا ایک بہت بڑی بستی تھی جسکی آبادی دو ہزار نفوس سے کم کی نہیں ہوگی لیکن پینے کے پانی کی سخت قلت تھی۔ چنانچہ رفتہ رفتہ کئی کنویں بنوائے گئے۔ ایک بڑے تالاب کی تعمیر ہوئی

---

1. RULER'S OFFICE

Dated Saraikilla the 7th. March 1933

Order No. 22G.

Mr.F.Bulkhi,R.O Karaikilla is here by orderd to be released from his deputation in connection with Deo Matters and join his present office at Karaikilla as R.O.

Sd/-A.P.Singh Deo

Maharaja and rulinf chief ,Saraikilla

Memo No. 237E.Dated 7.3.35 copy forwarded to Mr. F.Bulkhi for naoful.

D.A

Sd/A.P.Singh Deo

Maharaja and ruling chief Saraikilla

Faundetary State

جوراج باندھ (تالاب) کے نام سے مشہور ہوا۔ اسکی لمبائی چوڑائی ڈیڑھ میل سے کم نہیں ہو گی۔ طرح طرح کی آبی چڑیوں کا رفتہ رفتہ یہ مسکن ہو گیا۔ چنانچہ مہاراجہ کے خصوصی مہمان یا راج فیملی ۱ کے لوگ اسمیں شکار کھیلتے تھے۔ عام شکاریوں کے لئے یہاں شکار کھیلنا ممنوع تھا۔ بلخی صاحب کے بھی انگریز دوست اجازت لے کر شکار کھیلتے تھے اور چوری سے شکار کرنے والوں کو اکثر مصیبتوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا تھا۔ بلخی صاحب خود ایک اچھے شکاری تھے۔ ان کے حکم سے دوسرے لوگوں کو یہاں شکار کھیلنے کی اجازت ملتی تھی لیکن خود اپنی طبیعت اگر شکار کھیلنے کی طرف مائل ہوتی تو دور کے علاقہ میں نکل جاتے تھے اس تالاب کی طرف نہیں۔ میں خود ان کے ساتھ اکثر شکار میں رہا کرتا تھا۔ اکثر ایسا ہوا کہ دور کے علاقے سے خالی ہاتھ واپس آنا پڑا۔ آڈرلی سمئے رام ہو نے مجھے بہکایا کہ ابا سے ضد کروں اور راج باندھ کی راہ ہم لوگ اختیار کریں لیکن جب میں نے اصرار کیا تو ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کر دیا گیا۔ ہاں جب کوئی مہمان یا راج فیملی کے لوگ آتے تھے تو بلخی صاحب بھی انکا ساتھ دیتے تھے بذاتِ خود انہوں نے قانون شکنی کبھی نہیں کی۔

کرائے کیلا کے چاروں طرف جنگل ہی جنگل ہے۔ ان جنگلوں میں مرغی، مور، تیتر، ہاریل، ہرن، سور، شیر، بھالو وغیرہ بھی پائے جاتے تھے۔ ان دنوں جنگلی جانوروں کے شکار کی اس طرح بندش نہیں تھی جسطرح کہ آج ہے۔ بلخی صاحب کا شمار بھی اچھے شکاریوں میں تھا باہر سے آئے ہوئے مہمان اور راج فیملی کے لوگ اسی لئے ضد کر کے انہیں ساتھ ساتھ رکھتے تھے۔ میں بہت کم سن تھا اس لئے خونخوار جانوروں کے شکار میں مجھے وہ نہیں لے جاتے تھے لیکن ہرن، مور، مرغی وغیرہ کے شکار میں

---

1. Office of the vice president ,State council Saraikilla

ORDER

Dated the 11th Feb 1942

The Deputy Commissnor of Singhbhom ,A.C.Officer of his state who are incharge of Defence services Examination Train are permitted to shoot smell games at Karaikilla ,including the reserve tank on 17th instant

Sd/Illigible
Vice President state council saraikilla Fandetery state .

Memo No. 158T Dated the 11th Feb 1942 . copy forwarded to Mr. F.Bulkhi,R.O.,Karaikilla for information .
H.K.M / 11 - 2

Sd/ Vice president
State Council

اکثر میں اُن کے ساتھ رہااور اُنہوں نے کم سنی ہی میں مجھے بندوق چلانا سکھایا۔ایک دفعہکاواقعہ مجھے یاد ہے چائباسہ کے ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کے ساتھ یہ گئے تھے اور شیر (چیتا) کا شکار ہوا تھا جسکو دیکھنے کیلئے رہائشی بنگلہ پر بھیڑ لگ گئی تھی۔انکے ایک گہرے دوست مولوی ابراہیم صاحب سہرامی بھی ایک بار آئے تھے اور پرمٹ لیکر شکار کھیلا تھا۔بلخی صاحب مرحوم کے ساتھ شکار میں انکاوفادار آڈرلی سمئے رام ہو(کول) رہا کرتا تھا۔میں پاپیادہ تھک جاتا تو مجھے وہ اپنے کندھے پر سوار کر لیتا تھا۔ایک روز کاواقعہ ہے کہ لوگ جنگل سے گذر رہے تھے سمئے رام ہو نے مجھ سے کہا کہ حاکم (بلخی صاحب) سے ایک چار نمبر کا کارتوس مانگ کر لاؤں تاکہ نزدیک ہی میں بیٹھے پارہ (کبوتر) کا وہ شکار کرے۔میں نے والد صاحب سے جب کہا کہسمئے ایک چار نمبر کا کارتوس مانگتا ہے تو انہوں نے فوراً دے دیدیا۔پھر میں نے اُن سے کہا کہ سمئے نے کبوتر کے شکار کیلئے کارتوس مانگا ہے تو وہ یکایک چونکے۔میں نے اُن سے ضد کی کہ بجائے سمئے رام کے وہ خود جاکر بندوق چلائیں تاکہ ایک فائر میں زیادہ سے زیادہ کبوتروں کا شکار ہو تو اُنہوں نے جواب دیا"نہیں بیٹا میں کبوتروں کا شکار نہیں کرتا اسلئے کہ خانہء کعبہ میں بھی کبوتر رہتے ہیں"بلخی صاحب مرحوم کا یہ جملہ اُس وقت میری سمجھ میں زیادہ نہیں آیا آج جب اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں تو یہ احساس ہوتا ہے کہ خانہء کعبہ کے احترام کا جذبہ وہ اپنے دل میں کتنا زیادہ رکھتے تھے چنانچہ زندگی میں نہ کبھی اُنہوں نے سیاہ جوتا یا موزوں کا خود استعمال کیا اور نہ گھر والوں کو ایسا کرنیکی اجازت دی۔اسکا بھی جواب ان کے پاس یہی تھا کہ خانہء کعبہ کا غلاف سیاہ رنگ کا ہوتا ہے۔

کرائے کیلا میں بلخی صاحب مرحوم کی زندگی ایک پروگرام کی پابند تھی۔وہ بہت سویرے اُٹھتے تھے نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد تلاوت قرآن میں مصروف ہو جاتے تھے۔تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد ناشتہ سبھوں کے ساتھ کرتے تھے۔اسکے بعد باہر برآمدے میں بیٹھ جاتے تھے اُسی وقت راج سے تعلق رکھنے والی پرجا اپنی باتیں گوش گذار کرانے کیلئے آتی تھی۔اسی طرح شام کے وقت بھی آدھ گھنٹہ کا وقت پرجا کے لئے مخصوص ہوتا تھا وہ اپنے اجلاس پر ٹھیک ایک بجے دن میں بیٹھتے تھے اس سے قبل انکا پیش کار ضروری کاغذات لیکر بنگلہ پر حاضر ہو جاتا تھا۔اگر آفس چیمبر میں زیادہ کام نہیں رہا تو وہیں بیٹھکر ادبی کاموں میں مشغول ہو جاتے تھے۔ٹھیک ایک بجے دوپہر کے کھانے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد اجلاس پر وہ بیٹھ جاتے تھے۔کچہری سے عموماً وہ ساڑھے چار بجے شام میں واپس آتے تھے۔شام کی چائے سے فارغ ہونے کے بعد کچھ وقت فریادیوں کی فریاد سننے کے لئے مخصوص

رکھتے تھے عصر کی نماز اسی عرصہ کے بیچ ادا کرتے تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد اُنہیں دفتر کے کاموں سے کوئی واسطہ نہیں رہتا تھا۔ انہی دنوں وہ اپنی مشہور کتاب تاریخ مگدھ کی تالیف میں زیادہ مشغول رہتے تھے اس کتاب کے لکھنے میں انکی زندگی کا لگ بھگ بارہ برسوں کا لمبا عرصہ لگا اسلئے کہ مواد کی فراہمی کا کام انہوں نے ۱۹۳۲ء سے شروع کر دیا تھا۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۴ء تک جتنی کتابیں انہوں نے تاریخ مگدھ مرتب کرنے کے لئے امپریل لائبریری کلکتہ اور ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے منگائیں انکی تعداد کافی ہے۔ شمس سراج عفیف اور ''ضیاالدین برنی'' کی دو کتابیں بحوالہ نمبر ڈی۔ او۔ ۳۷ ۲۲۔ ۷۔ ۳۔ ۸۔ ۳ کو منگائی گئیں۔ تاریخ فیروز شاہی ڈی۔ او نمبر ۲۲۱۷۔ ۱۹ جولائی ۱۹۳۳ء کو منگائی گئی۔ تاریخ اکبری جلد دوئم بحوالہ نمبر ۹۳۶۵۔ ۷۔ ۲ نومبر ۱۹۳۳ء کو منگائی گئی۔ ''عالمگیر نامہ'' اور مشاہیر عالمگیر ۱۹ دسمبر ۱۹۳۴ء کو بحوالہ نمبر ڈی۔ او۔ ۳۹۳۲ منگائی گئیں۔ عالمگیر نامہ کی تیسری جلد بحوالہ نمبر ۲۹۸۱ مورخہ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۴ء منگائی گئی۔

شاہجہاں نامہ جلد اول ۱۱ اگست بحوالہ ۷۵۹ ۲ انہوں نے پایا۔ طبقات اکبری کی جلد اول ۱۳ نومبر ۱۹۳۳ء کو بحوالہ نمبر ۳۴۴۶ منگایا گیا۔ مآثرالامرا اور طبقاتِ اکبری کی دوسری جلد از ۱۹۳۳ء بحوالہ نمبر ۳۳۰۹ منگایا گیا۔ کسی اور کتاب کی دوسری جلد ۳۱ اگست ۱۹۳۳ء کو بحوالہ نمبر ۳۷ ۲ منگایا گیا۔ ''عمل صالح'' کی دوسری اور تیسری جلد ۱۲ ستمبر ۱۹۳۳ء کو بحوالہ نمبر ۲۸۶۲ منگایا گیا۔ یہ ساری کتابیں امپریل لائبریری کلکتہ سے منگائی گئیں۔ ماسوا اُسکے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (Asiatic society of Bengal Calcutta) سے دوسری اور تیسری جلد خرید کر منگائی گئی۔ ان جگہوں کے علاوہ فراہمی مواد کے لئے وہ ہندوستان کے دوسرے کتب خانوں ہی سے رابطہ نہیں رکھتے تھے بلکہ ملک انگلستان کے مشہور کتب خانوں سے بھی خط و کتابت کرتے رہتے تھے جو کتابیں ہندوستان میں کہیں دستیاب نہیں تھیں اُنہیں وہ بطور قرض بیرون ممالک سے بھی منگاتے تھے اور منگانے کی کوششیں کرتے رہتے تھے۔ چھٹیوں میں اکثر وہ کلکتہ خاص کر اسی کام کے لئے جاتے تھے۔ وہ کتاب دوسری جگہوں سے بطور قرض حاصل کرنے کے بعد اس فکر میں رہتے تھے کہ واپس بھیجنے میں وعدہ خلافی نہ ہو۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ شب بیداری سے کام لیکر مواد نوٹ کرتے تھے اُسکے بعد اُن نسخوں کو واپس کرتے تھے۔

مولوی ڈاکٹر عبدالحق مرحوم بابائے اردو سے انکے اچھے مراسم تاریخ مگدھ کی تالیف ہی کے نتیجہ میں ہوئے۔ چنانچہ یہ کتاب انجمن ترقی اردو (ہند) سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کی تعریف میں

انجہانی سر تیج بہادر سپرو نے ایک طویل خط مرحوم کو انگریزی میں لکھا تھا جو ان کے (بلخی صاحب) انتقال کے بعد تک محفوظ تھا۔

بلخی صاحب بحیثیت انصاف پسند حاکم:۔ریاست سرائے کیلا میں بلخی صاحب مرحوم بیس برسوں تک مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز رہے۔ جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں یہ ایک خودمختار ریاست تھی۔ جسکی ایک عدالتِ عالیہ (ہائی کورٹ) بھی تھی۔ اس عدالت عالیہ کے تحت دیوانی اور فوجداری مقدمات کی شنوائی کے لئے دو چھوٹی عدالتیں تھیں۔ ایک سرائے کیلا میں تھی۔ مہاراجہ بہادر خود اس بات کی تعریف کیا کرتے تھے کہ بلخی صاحب کا کوئی فیصلہ اپیل کے بعد عدالتِ عالیہ سے نہیں ٹوٹتا۔ اسکی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ بلخی صاحب مرحوم مقدمات کے سلسلہ میں کسی کی بھی سفارش نہیں سنتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی وہ بذات خود دلچسپی لیکر خفیہ طور پر حقیقت سے واقف ہونے کے بعد ہی کوئی فیصلہ قانون کی روشنی میں صادر کرتے تھے۔ اُنکی گرفت قانونی رموز و نکات پر کتنی زبردست تھی اسکا تحریری ثبوت اُنکی کتاب "تحریکِ وہابیہ" (The wahabi Movement) میں درج ایک واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ نیچے ملاحظہ ہو۔

انگریزوں نے ۱۸۶۴ء میں وہابی لیڈروں پر مقدمہ چلا کر بہتوں کو پھانسی کا حکم دیا۔ جس جج نے پھانسی کا حکم بنایا تھا اسکا نام سر ہربرٹ ایڈورڈس (Sir Herbart Edwards) تھا۔ اس فیصلہ کے مطابق حضرت جعفر تھانیشوری، مولوی یحییٰ علی، مولوی الٰہی بخش، مولوی احمد اللہ وغیرہ کو پھانسی ہونا تھی چنانچہ جج نے اپنے فیصلے کے تمام کاغذات نیچے برائے عمل بڑھادئے۔[1] لیکن بعد میں اس مقام پر یہ فیصلہ اس لئے بدل دیا گیا کہ ملزموں کو شہادت کا درجہ ملنے کے سبب اُنکی شخصیت کے امر ہو جانے کا اندیشہ تھا لہٰذا بجائے پھانسی پر لٹکانے کے اُنہیں عمر قید کی سزا دے کر کالا پانی بھیج دیا گیا۔ عدالتِ عالیہ کے اس فیصلہ اور نیچے کی عدالت میں اس فیصلہ کی تبدیلی پر دیکھئے بلخی صاحب کس طرح تنقید کرتے ہیں۔

1 Jafar and Yahiya Ali received their sentences not only with in differences but with an expression of pleasure at the prospect of being hanged . A number of European and some police officers says Jafar asked him why he was so pleased when he ought to weep and he replied them according to his religion Martrardom in the case of God was the greatest merit that one should obtained .At the time of delivering his judgment adds the judge turned towards me and said You have decline to plead and have not made the subjects presentation to loyality .Now I will have the pleasure of seeing you hanged and even your corpes will not be handled over to your relatives but will he ignorminously huried in the comentary.

"ہنٹر صفحہ ۶۸ میں یوں کہتا ہے""" برطانوی حکام نے نہایت ہی عقلمندانہ قدم اٹھایا کہ انہیں شہادت کے درجہ سے محروم رکھا۔" لیکن یہ برطانوی عدلیہ کے امورِ انصاف پر نہایت بدنما دھبہ ہے کہ انہوں نے اپنے سیاسی مفاد پر اپنی عدالتِ عالیہ کے فیصلہ کو بھی قربان کردیا۔ (ترجمہ مطبوعہ تخلیص) 1

بلخی صاحب مرحوم کے دلچسپ فیصلوں میں سے چند کا مختصر حال نیچے ملاحظہ ہو۔

سکرو چور:۔ بلخی صاحب مرحوم نے جس دن کرائے کیلا میں قدم رکھا سکرو انکا ذاتی ملازم تھا۔ یہ ذات کا بھیاں تھا۔ اسکا کام صبح دوپہر اور شام کے وقت کنویں سے پانی بھر کر غسل خانہ، باورچی خانہ اور برآمدے میں رکھنا تھا۔ سکرو کی ماہانہ تنخواہ مبلغ تین روپے اس زمانے میں تھی۔ جبکہ چاول ایک روپیہ میں سترہ سیر ملتا تھا۔ بلخی صاحب مرحوم اُسے بہت مانتے تھے اسکی وفاداری اور ذمہ داری سے میری والدہ مرحومہ بھی اس سے بہت خوش رہتی تھیں۔ بچپن میں مجھے وہ گود میں لیکر بنگلہ سے قریب آم کے باغ میں ٹہلاتا تھا۔ ایک روز کا واقعہ یہ ہوا کہ سکرو صبح سویرے پانی بھرنے کے لئے نہیں آیا۔ سبھوں کو تشویش ہوئی تھوڑی ہی دیر میں یہ معلوام ہوا کہ سکرو کو چوری کے الزام میں پولیس نے گرفتار کرلیا ہے۔ اُس نے ایک برہمن کاشتکار کا ہل چرا کر خفیہ طور پر پانچ روپیوں میں بیچنے کی ناکام کوشش ہی کی تھی کہ غریب رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔

سکرو کا مقدمہ بلخی صاحب کے اجلاس میں پیش ہوا۔ گھر کے سبھی لوگ چاہتے تھے کہ اسکی رہائی ہو جائے۔ اسکا باپ بنگلہ کے باہر اور ماں حویلی کے اندر آکر روتی تھی لیکن گھر یا باہر کسی کی یہ ہمت نہیں تھی کہ بلخی صاحب سے سفارش کرے۔

بلخی صاحب مرحوم نے آخر مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا۔ سکرو کو تین ماہ قید بامشقت کی سزا ملی۔ سکرو سزا کاٹنے کے بعد سرائے کیلا جیل سے کرائے کیلا آیا تو سیدھے ہم لوگوں کے بنگلہ پر حاضر ہوا۔ دوسرے دن سے حسب معمول ڈیوٹی کرنے لگا اور ۱۹۴۶ء یعنی جب تک بلخی صاحب کرائے کیلا میں رہے وہ وفاداری کے ساتھ اپنے کام انجام دیتا رہا۔ سکرو جیل میں جب تک رہا مرحوم اسکے بال بچوں کی خبر لیتے رہے اسی بیچ میں وہ سرائے کیلا گئے تو سکرو سے جاکر جیل میں ملاقات بھی کی۔ سکرو

---

1 Hunter(P.68) observes that the authorities the wise revenge of denying even to the most treasonable of the glory Martyrdom. But it is a sad reflection on the British Administration of justice that the judgement of even this highest tnilbunal was not free from subtle political consideration.

(The Wahabi Movement)

وہ پٹنہ بھی گئی تھی۔ میری والدہ مرحومہ اسے بہت مانتی تھیں۔ اسرو پر سرکاری روپیوں کے غبن کا مقدمہ چلا اور یہ مقدمہ ثابت ہو گیا۔ بلخی صاحب نے اُسے جیل کی ہوا کھلوائی۔ میں ایک بار اسکے جیل جانے کے بعد مرحوم کے ساتھ سرائے کیلا برائے سیر و تفریح گیا۔ ہم لوگ ڈاک بنگلہ میں مقیم تھے مرحوم راج گندھ مہاراجہ سے ملنے گئے ہوئے تھے۔ اُنکے نوکر سلیم نے مجھ سے کہا کہ چلئے آپ کو یہاں کی سیر کرادوں۔ مجھے سیدھے جیل لے گیا۔ وہاں جانے کے بعد اُس نے بلخی صاحب کا حوالہ دیکر جیل سپرنٹنڈنٹ سے جیل گھومنے کی درخواست کی۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب نے پہلے میرے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا اُسکے بعد سرائے کیلا کا مشہور سیو کا لڈو منگوا کر کھلایا پھر خود ہم لوگوں کے ساتھ اندر گئے اور جیل کا کونا کونا گھوم کر دکھایا۔ شام کے وقت جب والد صاحب آئے تو اُنہیں پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ میں جیل یاترا کر آیا ہوں۔ اُنہوں نے صرف اس قدر کہا۔ تمہیں سلیم کے ساتھ نہیں جانا چاہئے تھا میں وہاں اسرو کو دیکھنے کے لئے جانے والا ہی تھا تم بھی میرے ساتھ چلتے۔ خیر جانے دو اب مجھے فرصت بھی نہیں ہے آج شب کی گاڑی سے چکر دھر پور جانا ہے اسرو کی ماں کو تشفی ہو جائے گی اس لئے کہ تم اسرو سے مل چکے ہو۔ اس طرح کے اور بھی بہت سارے واقعات مجھے یاد ہیں جنھیں بخوفِ طوالت نظر انداز کرتا ہوں۔

بلخی صاحب نہایت ہی رکھ رکھاؤ کے ساتھ کرائے کیلا میں اپنی زندگی گذارتے تھے۔ کرائے کیلا میں وہ کسی کے یہاں نہیں جاتے تھے بلکہ دوسرے لوگ ان کے بنگلہ پر آتے تھے۔ میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ بنگلہ سے ملحق ایک بہت بڑا آم کا باغ تھا۔ جمعہ کے دن اسی باغ میں آم کے درختوں کی چھاؤں میں ایک بہت بڑا ہاٹ لگتا تھا۔ اسمیں غلہ، مرغی، مویشی، کپڑے، برتن غرض کہ ساری اشیائے ضروری کا بازار لگتا تھا۔ دور دور کے گاؤں کے لوگ یہاں ہفتہ بھر کا ضروری سامان خریدنے کے لئے آتے تھے۔ اس روز بنگلہ پر بھی باہر سے آئے ہوئے لوگ بغرض ملاقات جمع ہوتے تھے۔ نورالحسن صاحب، حافظ صاحب، انوار صاحب، پانڈے جی، خاں صاحب وغیرہ ضرور آتے تھے۔ ان لوگوں کا شمار بڑے تاجروں اور ٹھیکیداروں میں تھا۔ چکر دھر پور میں ان کے ذی علم احباب میں سید شاکر حسین سریوی، ماسٹر ظہیر الحق صاحب، شری لکھی پرشاد دکشت ہیڈ ماسٹر ریلوے اسکول تھے۔ شاکر صاحب اور ظہیر صاحب کا تعلق بھی اسی ریلوے اسکول سے تھا۔ میرا داخلہ ریلوے ہائی اسکول چکر دھر پور میں ۱۹۴۲ء میں (ساتویں درجہ میں) ہوا اسکول کے سالانہ جلسہ میں بلخی صاحب کی حیثیت

مہمان خصوصی کی ہوتی تھی۔ وہاں کبھی وہ کوئی پیپر پڑھتے تھے یا کبھی تقریر ہی پر اکتفا کرتے تھے۔ ان دنوں سنگھ بھوم کے ڈپٹی کمشنر امین احمد مرحوم آئی۔ سی۔ ایس۔ سابق ایم۔ ایل۔ سی۔ تھے ان سے بلخی صاحب مرحوم کے اچھے مراسم ہو گئے تھے۔ چنانچہ وہ کئی بار سرائے کیلا بھی آئے تھے اور بلخی صاحب کی کتاب ''تاریخ مگدھ'' کا مسودہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔

سرائے کیلا میں ہر سال ماہ چیت میں ناچ گانے کا جشن منایا جاتا تھا اسکی حیثیت نہایت ہی فنی ہوتی تھی۔ کلاسیکی رقص وہاں کے اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کی دلچسپی کا خاص مرکز تھا۔ خود راجہ صاحب کے ایک لڑکے ایک اچھے رقاص تھے۔ مشہور رقاص اودے شنکر ان کا دوست تھا چنانچہ ان لوگوں نے انگلینڈ میں جاکر بھی نام کمایا۔ وہاں کا چھو رقص بہت ہی مشہور ہے۔ اس جشن کا افتتاح بلخی صاحب مرحوم کے بنگلہ ہی پر ہوتا تھا۔ اس جشن کے ختم ہوتے وہاں کے آدی باسیوں کے رقص کا تہوار شروع ہو جاتا تھا۔ یہ جشن بھی اسی آم کے باغ میں تین چار دنوں تک منایا جاتا تھا۔ آدی باسی لوگ خود سے چاول کی (سفید رنگ کی) شراب بناتے تھے جسے (ہانڑیا) پیتے اور پینے کے بعد غول بنا کر ناچتے۔ ناچ دیکھنے کے لئے غیر آدی باسی لوگ بھی جمع ہو جاتے۔ مندرا، ڈمرو اور بانسری کے ملے جلے ساز پر رقص کرنے والے آدی باسی ہو بھاشا میں گانے گاتے۔ میری سمجھ میں ان کے گانے نہیں آتے تھے ان کی مشترک سریلی آواز ان کے سازوں کے تال میل سے ہم آہنگ ہو کر بہر حال خوشگوار معلوم ہوتی تھی۔ اسی عرصہ میں آدی باسیوں کے بیاہ شادی کی باتیں طئے پاتی تھیں۔ طئے پانے کے بعد لڑکے والے لڑکی کو اُٹھا کر اپنے گھر بھاگتے تھے۔ چنانچہ وہاں باضابطہ شادی ہوتی تھی۔ شادی انجام پاتے ہی دولہا اور دولہن ''گومکے'' (ہو بھاشا میں حاکم کو کہتے ہیں) سے آشیر واد لینے بلخی صاحب کے بنگلہ پر آتے تھے اور وہاں کے رسم کے مطابق بلخی صاحب دونوں کے سر پر ہاتھ رکھکر آشیر واد دیتے تھے بلخی صاحب کی حیثیت اس رسم کو انجام دیتے وقت گومہاراجہ کے قائم مقام کی ہوتی تھی۔ آشیر واد دینے کے بعد بلخی صاحب نئے شادی شدہ جوڑوں کو انعام سے نواز کر رخصت کرتے تھے۔

خاص سرائے کیلا پیڑ کی آبادی بیشتر اڑیہ قوم پر مبنی تھی۔ ان کی مادری زبان اڑیہ تھی۔ راج بھاشا بھی اڑیہ تھی بلخی صاحب نے کام چلانے کے بھر اڑیہ بھاشا سیکھ لیا تھا۔ ان کا پیشکار امبیکا پرشاد شروع میں ان کی دشواریاں حل کرتا تھا۔ سرائے کیلا میں برہمن، نابھیاں، مہتوں، ببدا، حجام، تانتی، کمہار، لوہار، سونار، گھانسی (مہتر) ذات کے لوگ زیادہ تھے۔ اس بڑی بستی کے چاروں طرف جنگلوں

میں آباد بستیاں، کول، بھیل، سنتال منڈاری وغیرہ آدی باسیوں پر مبنی تھیں۔ بلخی صاحب مرحوم کو شروع میں ہو اور منڈاری بھاشاؤں کے سمجھنے میں دشواری ہوتی تھی۔ چنانچہ ان کی دشواریوں کو ان کے ساتھ رہنے والا وفادار آرڈرلی سمئے رام ہو حل کرتا تھا بلخی صاحب اس کی جفاکشی، ایمانداری اور وفاداری کے سبب اسے بہت مانتے تھے اسی سے انھوں نے آدی باسی بھاشا بھی سیکھ لی۔ رفتہ رفتہ فراٹے دار طور پر خود بولنے لگے۔ سمئے رام کی شادی میں مرحوم نے کافی دلچسپی دکھائی اور اپنی حیثیت کے مطابق خرچ بھی کیا۔

کرائے کیلا پیڑ کے مسلمان اور بلخی صاحب: کرائے کیلا پیڑ میں لگ بھگ پندرہ گھر مسلمانوں کی بھی آبادی تھی۔ جن کی مجموعی تعداد دوسو یا اس سے کچھ زیادہ ہوگی۔ پیشہ کے اعتبار سے یہ لوگ درزی، سوتار، بڑھئی، کاشتکار اور کچھ ملازمت پیشہ لوگ تھے۔ محمد میاں مائننگ آفس میں کرانی تھے ان کے بھائی رفین (رفیع کی بگڑی شکل) خفیہ پولیس کے محکمہ میں تھے چھوٹو میاں سنار تھے، حبیب میاں درزی تھے، رستم میاں بڑھئی تھے ان کا بنایا ہوا فرنیچر آج تک میرے پاس موجود ہے۔ یہ بہت اچھے کاریگر تھے۔ عثمان میاں راج مستری تھے۔ موقع ملنے پر خصی کا گوشت بھی فروخت کرتے تھے۔ محمد بیک راج کے خصوصی ایلچی تھے ان کا کام ہفتہ میں ایک دو بار کرائے کیلا سے بلخی صاحب کے کاغذات اور پیغامات راجدھانی (سرائے کیلا) لے جانا تھا اور وہاں کے کاغذات و پیغامات کرائے کیلا لانا تھا۔

بلخی صاحب نے وہاں جانے کے بعد ان مسلمانوں میں اردو زبان سیکھنے کا بھی شوق پیدا کیا۔ ان سبھوں کی مادری زبان اڑیہ تھی ان لوگوں کو آمادہ کر کے ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم کروادیا۔ جس میں چکردھرپور کے ایک مولوی (امین الدین) رکھے گئے۔ رفتہ رفتہ ان مسلمانوں کے بچوں نے مذہبی اور اردو تعلیم بھی ضرورت کے مطابق حاصل کی۔

کرائے کیلا میں فرقہ وارانہ گندگی اور بلخی صاحب: بستی کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں بھی کافی اتحاد پایا جاتا تھا۔ لیکن ایک بار زبردست فرقہ وارانہ کشیدگی بھی پیدا ہوگئی۔ بلخی صاحب کی ذہانت اور بروقت کاروائی کے سبب فساد برپا ہوتے ہوتے رہ گیا۔ دونوں میں کشیدگی اس طرح پیدا ہوئی کہ مسلمان لوگ ایک معمولی سا امام باڑہ بنا رہے تھے۔ راج باندھ جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اس کے کنارے ایک چھوٹا سا مندر بھی تھا۔ مندر کے ارد گرد پتھروں کا بیشمار ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ان مسلمانوں نے وہاں سے کچھ پتھر بیل گاڑی پر امام باڑہ کے لئے لانا شروع کیا راستے میں ہندوؤں

نے اُنہیں روکا آپس کی تُو تو میں میں سے بات کچھ آگے بڑھ گئی پولیس کا داروغہ دوڑا ہوا بلخی صاحب مرحوم کے پاس آیا اور ماجرا سناتے ہوئے یہ کہا کہ مہابیر ساہو کے بہکانے پر ہندو لوگ مسمانوں کے قبرستان کی چہار دیواری توڑنے جا رہے ہیں۔ بلوہ کا اندیشہ ہے پولیس اتنی کافی نہیں کہ طاقت کا استعمال کیا جائے۔ بلخی صاحب مرحوم فوراً کپڑا پہن کر داروغہ کے ساتھ ساتھ گئے اور مزید بدمزگی پیدا نہیں ہوئی۔ وہاں سے واپس آنے پر انہوں نے داروغہ سے کہا کہ آج سرائے کیلا اسکی خبر بھیج دی جائیگی تاکہ وہاں سے مزید پولیس بطور حفاظتی کاروائی بلائی جائے۔ انہوں نے داروغہ سے یہ بھی کہا دونوں کا سانحہ درج کر لیجئے اور بطور حفاظتی کاروائی دونوں پر دفعہ ۱۰۷ چلایئے۔ مرحوم نے سیل بہ مہر لفافہ میں ساری کیفیت درج کر کے آڈرلی سمئے رام کی معرفت مہاراجہ کو خبر بھیج دی۔ خبر پاتے ہی مہاراجہ بہادر بذات خود اپنی رولس رائلس کار پر حفاظتی دستہ کے ساتھ آئے۔ جائے وقوع کا معائنہ کیا۔ قبرستان بھی جا کر دیکھا۔ مندر بھی اور زیر تعمیر امام باڑہ بھی۔ انکے بنگلہ واپس آنے پر ساری بستی کی خلقت ٹوٹ پڑی۔ مہاراجہ صاحب نے اڑیہ زبان میں مختصر سی تقریر کی جسکا نچوڑ یہ تھا کہ راج کی ساری پرجا ان کے لئے برابر ہے۔ ہندو ہوں یا مسلمان اُنہیں آپس میں ملکر رہنا چاہیے۔ مہابیر ساہو اور محمد میاں کو ذمہ دار ٹھہرا کر دس دس روپے جرمانے کئے۔ مہابیر سے اُنہوں نے کہا کہ وہ باہر سے آکر اسٹیٹ میں بسا ہے اسلئے نہیں کہ یہاں کی پرجا میں پھوٹ ڈالے یہ اسکا چونکہ پہلا قصور ہے اسلئے درگذر کیا جاتا ہے ورنہ آئندہ اگر ایسی شکایت ملی تو اسکی ساری جائیداد ضبط کر لی جائے گی اور وہ ریاست سے نکال دیا جائے گا۔ محمد میاں سے کہا کہ انکی سرکاری نوکری برقرار رہے گی لیکن آئندہ سے کوئی ایسی شکایت میں نہیں سنوں۔ پولیس کو حکم دیا کہ امام باڑہ میں لائے ہوئے پتھر وہیں پہونچا دئے جائیں جہاں سے لائے گئے تھے اور قبرستان کی چہار دیواری کے مختصر سے ٹوٹے ہوئے حصے کی مرمت کے لئے گورا ساہو (اسٹیٹ کا ٹھیکدار) کو حکم دیا جائے۔ مسلمانوں سے کہا کہ ان کے امام باڑہ کی تعمیر اسٹیٹ کے خرچ سے ہوگی۔ ساری پرجا سے مخاطب ہو کر بلخی صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ تمہارے حاکم ہیں۔ انصاف کی کرسی پر نہ یہ ہندو ہیں اور نہ مسلمان میں انہیں بہت مانتا ہوں اور تم لوگوں کو بھی۔ ساری پرجا "مہاراجہ کی جئے" کرتی ہوئی واپس ہوئی۔

غذا اور لباس:۔ بلخی صاحب مرحوم لذیذ غذا اور اچھے لباس کے بہت شوقین تھے۔ انکا اسکیل تنخواہ کا وہی تھا جو ان دنوں حکومت برطانیہ کے مجسٹریٹوں کا تھا یعنی مبلغ ۱۶۰ روپیہ ماہانہ

کی صحت اگرچہ اچھی نہیں رہتی تھی۔ وہ گٹھیا کی مریضہ تھیں اور لاٹھیوں کے سہارے چلتی تھیں میں نے اپنی یاد میں اُنہیں عام انسانوں کی طرح سیدھا اور بغیر لاٹھی کے سہارا کے چلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ لیکن بیٹھی بیٹھی وہ سارے کام کر لیا کرتی تھیں۔ انہیں سبزی یا گوشت نوکر یا دائی کے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں پسند آتا تھا لہذا ان چیزوں کو وہ خود پکاتی تھیں۔ وہ طرح طرح کے کھانے پکانا جانتی تھیں۔ بیٹھی بیٹھی باقرخوانی روٹی معزیات کی روٹی کیک قلچہ یہاں تک کہ پلاؤ قلیہ قورمہ وغیرہ باآسانی پکالیتی تھیں۔ باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کی خاطر کے لئے وہ خود سے اچھی اچھی چیزیں پکاتی تھیں۔ بلخی صاحب کے بنگلہ پر کوئی نہ کوئی مہمان قریب قریب روز ہی رہتا تھا۔

بلخی صاحب مرحوم کی زبان ذائقہ دار اور لذیذ کھانوں کی عادی ضرور تھی لیکن معمولی غذا بھی وہ خوشی خوشی کھالیتے تھے۔ کھانا بھی سارے لوگ ساتھ کھاتے تھے۔ مجھے کھانا شروع کرنے سے قبل بسم اللہ کہنے کی تاکید کرتے تھے اور کھانا ختم کرنے کے بعد مجھے یاد دلاتے تھے کہ ''اللہ شکر ہے تیرا'' کہو۔ بچپن کی مرغوب غذا (ستو، گڑ اور گھی) بڑھاپے میں بھی اُنہیں پسند تھی۔ وہ سال میں ایک بار سرائے کیلا کے تمام مسلمانوں کی دعوت کرتے تھے دعوت بنگلہ ہی پر ہوتی تھی۔ اور بقرعید کے موقع پر ہوتی تھی۔ اُن دنوں آدھ من کے خصی کی قیمت زیادہ سے زیادہ چھ روپے ہوا کرتی تھی۔ دس بارہ سیر کا خصی زیادہ سے زیادہ تین ساڑھے تین روپیوں میں مل جاتا تھا۔ بلخی صاحب کے یہاں چار خصی خریدے جاتے تھے۔ اس کا حساب اس طرح تھا کہ ایک خصی رسول کریمؐ دوسرا والد مرحوم تیسرا میری والدہ مرحومہ اور چوتھا اولاد یعنی میری طرف سے قربانی کے لئے خریدا جاتا تھا۔ ان خصیوں میں سے ایک خصی بستی کے مسلمانوں کو مل جاتا تھا اور دوسری ضروری چیزیں مثلاً چاول گھی تیل وغیرہ دیوا کر ساہو بنیا کے یہاں سے پرزے پر خریدی جاتی تھیں۔ قیمت بلخی صاحب مرحوم ادا کرتے تھے۔ سبھی مسلمان بنگلے پر جمع ہو کر خود سے کھانا پکاتے تھے بلخی صاحب کا باورچی سلیم بھی ان کی مدد کرتا تھا۔ وہاں کے ہندو بھائی ذبیحہ گوشت نہیں کھاتے تھے۔ لہذا وہ اس جشن میں نہیں شریک ہوتے تھے۔ یہ کمی عید کے موقع پر پہلے ہی پوری ہو جاتی تھی اور بلخی صاحب انہیں پوری کچوری اور حلوہ سے نوازتے تھے۔

بلخی صاحب کی شریک حیات کرائے کیلا میں :- اوپر میں لکھ چکا ہوں کہ بلخی صاحب کی شریک حیات جسمانی طور پر خرابی صحت سے دوچار تھیں۔ بلخی صاحب نے انکی صحت یابی کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ پٹنہ کے بڑے بڑے ڈاکٹروں کا علاج ہوا۔ گیا کے مشہور

معروف ڈاکٹر (کیپٹن نصیر احمد) کا علاج ہوا لیکن کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ بہر کیف وہ اس لائق ہو گئیں ۔ لاٹھیوں کا سہارا لیکر (جھک کر) چل سکیں میری والدہ نہایت ہی نیک صالح اور عبادت گذار خاتون تھیں۔ انکا زیادہ وقت عبادت میں گذرتا تھا۔ اسی حالت میں منع کرنے کے باوجود وہ رمضان کے روزے بھی رکھا کرتی تھیں۔ غرضیکہ بیٹھے بیٹھے وہ سارے کام کر لیا کرتی تھیں آس پاس گاؤں کی ہندو اور مسلمان عورتیں ان سے ملنے آتی تھیں۔ کسی سے تحفہ یا چیز قبول کرنیکا (بلخی صاحب کا) حکم نہیں تھا۔ عورتوں کے ذریعہ بلخی صاحب تک کسی قسم کی سفارش بھی اسی وقت کامیاب ہوتی تھی اگر وہ جائز ہو۔ مسلمانوں کی بچیاں ان سے بہت گھل مل گئی تھیں۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ بلخی صاحب نے میری والدہ سے ان بچیوں کے لئے کچھ کارِ خیر کرنے کے لئے کہا۔ تاکہ وہ نماز، قرآن حکیم کی تلاوت اور کسی قدر اردو لکھنا پڑھنا سیکھ لیں۔ بلخی صاحب نے میری والدہ سے کہا کہ ان کی اس طرح طبیعت بہلنے کا سامان بھی مہیا ہوگا اور وہ بچیاں اردو زبان اور دینی و دنیاوی تعلیم بھی حاصل کرلیں گی۔ اس کا اجر اللہ انھیں (میری والدہ کو) ضرور دیگا۔ میری والدہ مرحومہ نے بلخی صاحب مرحوم کی اس ہدایت پر عمل کیا۔ ان بچیوں کی ماؤں کو تیار کیا کہ وہ انھیں اردو کا قاعدہ، قاعدہ بغدادی، سلیٹ، کاغذ وغیرہ خرید دیں۔ دو تین دنوں کے اندر وہ بچیاں میری والدہ مرحومہ سے پڑھنے کے لئے آنے لگیں۔ ان بچیوں میں ایک کا نام قریشہ، دوسری کا ساجدہ، تیسری کا حمیدہ اور چوتھی کا صالحہ تھا۔ تینوں بچیاں پڑھنے میں بہت تیز ثابت ہوئیں۔ مفت کی استانی کے خلوص نے مسلمان ماؤں میں یہ احساس پیدا کیا کہ ان کی بچیاں موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ پڑھنے والی بچیوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ میری والدہ مرحومہ انھیں بڑی شفقت سے پڑھاتی تھیں۔ انکے ارد گرد وہ جمع رہتی تھیں ساتھ ساتھ میری والدہ دوسرے کاموں میں بھی مشغول رہتی تھیں۔ انھیں وہ بہت پیار کرتی تھیں شاید انکی خاص وجہ یہ تھی کہ میں اپنے والدین کا واحد فرزند تھا۔ میرے دو بھائی میری پیدائش سے پہلے ہی اللہ میاں کو پیارے ہو چکے تھے۔ میرے والد مرحوم خاموش رہتے تھے لیکن میری والدہ اکثر انھیں یاد کرکے آنسو بہاتی تھیں۔ ایسے موقع پر میرے والد انھیں صبر کی تلقین کرتے تھے۔

ایک واقعہ: ایک دن اچانک ایک حادثۂ عظیم ہوتے ہوتے رہ گیا۔ میں اپنے والدین سے بہت شوخ تھا۔ میری ہر فرمائش پوری کی جاتی تھی۔ مجھے بچپن میں جانوروں کے پالنے کا بہت شوق تھا۔ اگر میں نے مور کی خواہش کی تو کوشش کرکے مور کا بچہ خریدا گیا۔ خرگوش پالنے کا شوق ہوا تو باہر

ے اسکا ایک جوڑا منگوایا گیا، پہاڑی نطوطا، پہاڑی مینا، بلبل، طوطی، مرغی، بکری، گائے، سبھوں کا میرے لئے گھر میں استقبال کیا گیا۔ میں نے چینامرغی کی خواہش کی دوسرے ہی دن آڈرلی، سمئے رام ہو خرید کرلے آیا۔ ایک دن چینامرغی کے جوڑے شام کے وقت گھر سے بھاگ کر آم کے درخت پر چڑھ گئے بلنگی صاحب مجھے نماز مغرب کے لئے پکارتے ہی رہے لیکن میں چینامرغیوں کو گھر لانے کے لئے آم کے باغ میں گیا اتفاقاً میرا داہنا پاؤں راستے میں پڑے ہوئے ایک کریت سانپ پر پڑ گیا۔ اُس نے مجھے فوراً پاؤں میں کاٹ لیا۔ میں گھبرایا ہوا گھر واپس آیا اور صرف مجھے اتنا یاد ہے کہ میں نے سانپ کاٹنے کا حال والدہ مرحومہ سے کہا۔ والد مرحوم مغرب کی نماز کے لئے کھڑے ہو چکے تھے۔ اسکے بعد میں بے ہوش ہو گیا۔ مجھے زندہ رہنا تھا لہذا سانپ کا زہر میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکا۔ مجھے ہوش لگ بھگ نصف شب میں آیا۔ بعد میں میری والدہ مرحومہ نے سارا حال مجھے سنایا کہ والد مرحوم نے فوراً نماز کی نیت توڑ دی۔ اتفاق کہئے کی میری والدہ شام سے پہلے سلائی میں مشغول تھیں چنانچہ قینچی چوکی پر رکھی ہوئی تھی۔ والد مرحوم نے فوراً لنگی کاٹ کر جانگھ سے پاؤں کے نچلے حصہ تک کئی جگہوں پر کس کر باندھ دیا۔ اسٹیٹ ڈسپنسری کے بنگالی ڈاکٹر فوراً بلائے گئے جنہوں نے سانپ کی کاٹ سے مجروح حصہ کو چیر کر اسمیں دوا بھر دی۔ مجھے سوئی بھی دی گئی اتنی دیر میں کم از کم دس جھاڑنے والے بھی آگئے اُن جنگلی جھاڑنے والوں نے میرے منہ میں کچھ ڈالا کسی نے پیٹھ پر تھالی چپکائی کسی نے اپنے سر کے لمبے بالوں کو توڑ کر اُن سے جھاڑنا شروع کیا کوئی زور زور سے میرے کان میں چلا کر جھاڑنے لگا۔ یہاں تک صبح ہو گئی اور چکردھر پور سے بھی ڈاکٹر بلائے گئے۔ میرا پاؤں دورانِ خون بند ہونے کے سبب کئی دنوں تک بے حس رہا۔ میرے والد مرحوم کہتے تھے کہ اس وقت میری والدہ مرحومہ بھی بے ہوش ہو گئی تھیں لیکن والد مرحوم نے اپنا ہوش درست رکھا۔ سانپ کاٹنے کا اثر میری تندرستی پر بہت بڑا پڑا چنانچہ مہینوں زیرِ علاج رہا۔ میری اس علالت کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری والدہ مرحومہ بھی سخت علیل ہو گئیں اُنہوں نے پریشانیوں پر قابو پایا اور دونوں ماں بیٹا کا باضابطہ علاج کرانے کے لئے چھٹی لیکر وہ اپنی فیملی کے ساتھ پٹنہ چلے گئے۔ ڈاکٹر عبدالحی کے زیرِ علاج ہم دونوں رہے۔

میری والدہ مرحومہ مُجھے بہت پیار کرتی تھیں۔ وہ مجھے زیادہ دیر تک نظر سے دور رکھنا نہیں چاہتی تھیں اگر میں کھیل کود کے لئے بنگلہ سے باہر اکیلے چلا گیا تو دیر ہونے پر فوراً ہرکارے چھوڑے جاتے تھے۔ وہ فطرتاً بہت اختلاجی تھیں میرے زیادہ دیر تک باہر رہنے پر اگر وہ اختلاجِ قلب میں مبتلا ہو

گئیں تو میرے اس قصور کے لئے والد مرحوم مجھے مارتے نہیں تھے۔ بلکہ سمجھا کر یہ کہتے تھے کہ ماں کا خیال رکھو۔ ان کے پاس رہو۔ وہ تمہیں کس قدر چاہتی ہیں۔ میری والدہ مرحومہ نے بھی مجھے زندگی میں کبھی مارا نہیں اگر ناراض ہو گئیں تو زیادہ سے زیادہ بگڑ کر تھوڑی دیر کے لئے بول چال بند کر دی۔ والد مرحوم کے آتے ہی ماں بیٹا میں پھر دوستی ہو جاتی تھی۔ والد مرحوم اور والدہ مرحومہ کے درمیان تعلقات ہمیشہ خوشگوار دیکھے اگر ایک کی بات دوسرے کو بری لگی تو بدمزگی کی صورت کبھی پیدا نہیں ہوئی کچھ دیر کے لئے چہرے ملول رہے لیکن دونوں کے دل ایک دم صاف، چنانچہ پھر حالات جلد ہی معمول پر آگئے۔ آج بھی میں اپنی والدہ مرحومہ کی شفقتوں کو یاد کرتا ہوں تو پرانی باتیں دل دکھانا شروع کر دیتی ہیں انکی موت سے متاثر ہو کر میں نے جو نظم شفقت مادر کے نام سے لکھی ہے میرا ایک شاہکارِ فن نہ سہی میرے لئے جذبات کی ترجمانی ضرور ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ:۔

....

"آدمی ہو واقعی گر ذی شعور
شفقتِ مادر ہے اسکے دل کا نور
لیکن:۔

....

آج وہ شفقت نہیں میرے لئے
یاد باقی ہے مگر دل کے لئے
ہے مسافر کے لئے مشکل یہی
راہ میں طاقت یہی ہے بل یہی
اس نے بخشا ہے مجھے ذوق سفر
دل کے اندر جذبہء شوق سفر"

میری تندرستی بچپن میں اچھی نہیں رہتی تھی۔ میری والدہ تو عمر بھر مریضہ رہیں۔ لہذا میرے والد مرحوم، یونانی، اریوویدک، الوپیتھک، ہومیو پیتھک دواؤں کا ایک چھوٹا سا ذخیرہ گھر میں رکھتے تھے۔ ان دواؤں سے گاؤں گاؤں کے لوگ فیض یاب ہوا تے تھے۔ کرائے کیاا کے ارد گرد گھنے

جنگلات ہیں اس کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں۔ جنگلوں کے آدی باسیوں سے جڑی بوٹیوں کے بارے میں بلخی صاحب برابر دریافت کرتے رہتے تھے۔ اُن جڑی بوٹیوں سے مرکب دوائیں بھی انہوں نے طرح طرح کی تیار کر لی تھیں۔ چنانچہ اُنکی چند ایک دوائیں اُنکے دور دور کے ملاقاتیوں میں بھی مقبول تھیں ان میں سے چند کا ذکر میں نیچے کرتا ہوں۔

طحال کی دوا:- وہاں کے جنگلوں میں پیاز سے مشابہ ایک چیز ہوتی ہے اسکا رنگ ایکدم سفید ہوتا ہے اور سائز میں پیاز کے دوگنا ہوتی ہے۔ زمین کے اندر ہوتی ہے اور اسکے ہرے پتے بھی پیاز ہی کے پتے سے مشابہ ہوتے ہیں۔ اسکا نام بن پیاز ہے۔ بلخی صاحب مرحوم جنگلوں سے منگواکر چاقو سے اسکا دو حصہ کروادیتے تھے اور بیچ کی تہ دار پرت کو نکلواکر اسمیں سیندھا نمک بھروادیتے تھے۔ اسکے بعد دھاگوں سے بندھواکر اس پر گیلی کیوال مٹی لگوادیتے تھے۔ مٹی لگنے کے بعد اسکی شکل گول ہو جاتی تھی۔ اسکے بعد شام کے وقت گوئیٹھے کی آگ میں ان گولوں کو ڈال دیا جاتا تھا اور اُوپر سے کافی گوئیٹھے رکھ دیئے جاتے تھے۔ رات بھر اسی طرح آگ میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ صبح میں آگ ٹھنڈی ہوتی تھی۔ ان گولوں کو توڑ کر جلا ہوا نمک نکال لیا جاتا تھا اسکی تین تین ماشہ کی پڑیاں بنائی جاتی تھیں۔ طحال کے مریض کو بیس دنوں تک صبح دوپہر اور رات کے وقت یہ دوا دی جاتی تھی اوپر سے خالص شہد چاٹنے کی تاکید کی جاتی تھی۔

آنکھوں کے امراض کی دوا:- وہاں جنگلوں میں چھوٹے قد کا خاردار زمین پر پھیلا ہوا ایک درخت ہوتا ہے۔ اس کے پتے شفتالو کے پتے سے مشابہ ہوتے ہیں۔ اس درخت میں سرخ رنگ کے چھوٹے چھوٹے پھول ہوتے ہیں۔ صبح میں ان پھولوں کے منہ کھلے ہوتے ہیں اور ان میں شربت کی لذت لئے ہوئے نہایت ہی بالکل سرخ رنگ کی بوندیں ہوتی ہیں۔ پھولوں کا مزہ کسیلا ہوتا ہے۔ اس کو وہاں کے آدی باسی دھاتکی کا پھول کہتے ہیں۔ بلخی صاحب مرحوم جنگلوں سے ان پھولوں کو تھیلوں میں بھر کر منگواتے تھے۔ پھولوں کو سفوف کیا جاتا تھا۔ اس سفوف کے ہم وزن سونف کا سفوف اس میں ملایا جاتا تھا۔ اس کے بعد تین تین ماشہ کی پڑیاں بنائی جاتی تھیں۔ صبح، دوپہر اور رات کے وقت ایک ایک پڑیا کا استعمال چالیس دنوں تک مریضوں سے کروایا جاتا تھا۔ یہ مرکب سفوف خالص شہد کے ساتھ کھانے کی تاکید کی جاتی تھی۔ اس دوا کے استعمال سے "آشوب چشم" آنکھ کا درد، آنکھ سے پانی کا گرنا بند ہو جاتا تھا اور بینائی میں اضافہ ہوتا تھا۔ بلخی صاحب کی یہ دوا ان کے پٹنہ کے

ملاقاتیوں میں بہت مقبول تھی۔ میرے نانا ڈاکٹر سید محمد وارث بھی بذات خود ایک اچھے ڈاکٹر تھے ان کے پاس الوپیتھیک کی ڈگری تھی لیکن ہومیو پیتھک کا بھی انھوں نے گہرا مطالعہ کیا تھا چنانچہ انکی پریکٹس اسی کے سبب چمکی۔ مشہور شاعر داغ دہلوی کے شاگرد مبارک عظیم آبادی اس طریقہ علاج پر تبادلہ خیال کرنے کے لئے اکثر ان سے ملنے آیا کرتے تھے۔ میرے نانا مرحوم بھی اپنے مریضوں کے لئے اس پھول کو بذریعہ پارسل سرائے کیلا سے منگواتے تھے۔

مور کی چربی: بلخی صاحب مرحوم مور کا شکار اس لئے بھی کرتے تھے کہ اس کی چربی وہ جمع کر لیتے تھے اور تنفس کے مریضوں جو عموماً جاڑے میں پریشان رہتے ہیں اس کے استعمال سے انھیں راحت ملتی تھی۔

مور کی ٹانگ: مور کی ٹانگ کو جلا کر راکھ کر دیا جاتا تھا۔ کان بہنے کے مرض میں یہ دوا تریاق کا کام کرتی تھی۔

شیر کی چربی: شیر کی چربی کا استعمال چوٹ اور درد میں ہوتا تھا۔

دھنیش کا تیل: دھنیش نام کا ایک پرندہ وہاں کے جنگلوں میں بہت ہوتا ہے۔ بڑے دھنیش کا وزن دو ڈھائی سیر سے کم نہیں ہوتا ہے۔ بلخی صاحب مرحوم پورے پرند کو خالص سرسوں کے تیل میں پکوا کر جمع کر لیتے تھے۔ دور دور کے لوگ اس تیل کو حاصل کرنے کے لئے بلخی صاحب کے پاس آتے تھے۔ میری والدہ مرحومہ کو بھی یہ تیل بہت فائدہ کرتا تھا جو گٹھیا کی مریضہ تھیں اس مرض میں اس تیل کی مالش تین چار بار کرائی جاتی تھی؟ سکے بعد سینکنے کی بھی تاکید کی جاتی تھی۔

جنگلی قند: کھیرے کی شکل سے ملتی جلتی اسی سائز کی ایک چیز زمین کے اندر وہاں کے جنگلوں میں پائی جاتی ہے۔ اسے بن کھیرا کہتے ہیں۔ بلخی صاحب مرحوم اس کا شربت، پیشاب میں جلن والوں مریضوں کو پلواتے تھے۔ اس سے انھیں بہت فائدہ ہوتا تھا۔

ترپھلا: وہاں کے جنگلوں میں ہرہ، بہیرہ آملہ بہت ہوتا ہے۔ اس کا ترپھلا بنوا کر مریضوں کو مفت بٹواتے تھے۔

کالے کیند کی چھال: ایک دم سیاہ رنگ کی ہوتی ہے۔ وہ جنگلوں سے منگوا کر رکھتے تھے۔ پٹنہ میں بھی دوستوں کو دیتے تھے اگر کسی کو بچھو نے ڈنک مارا یا بڑے نے کاٹا تو پانی میں اسے گھس کر لگانے سے تکلیف فوراً دور ہو جاتی ہے۔

سھرجم کی چھال: سانجر کے مریضوں کو پیس کرا سے پلوایا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا سطور میں ان کی چند دواؤں کا میں نے ذکر کیا ہے۔ جنگلوں سے طرح طرح کی جڑی بوٹی وہ منگواتے تھے ان میں سے بہتوں کے مجھے نام بھی یاد نہیں۔ کرائے کیلا میں ایک اچھے کوی راج بھی تھے انکا نام مرتج ترپاٹھی تھا۔ یہ اکثر بلخی صاحب مرحوم کے بنگلہ پر آتے تھے۔ حد درجہ کے مذہبی انسان تھے دل میں انسانی دکھ درد کا احساس رکھتے تھے۔ بلخی صاحب مرحوم وہاں کی جنگلی جڑی بوٹی کا حال ان سے پوچھتے رہتے تھے۔ بلخی صاحب مرحوم ایسی جنگلی دواؤں کی طرف اس لئے دھیان دیتے تھے کہ اُن کے دل میں انسانی دکھ درد کا خد درجہ احساس تھا۔ اسی احساس نے اُن کے دل میں خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا کیا اور اسی جذبے نے اُنکی زندگی میں طرح طرح کا روپ دھارا اور رفتہ رفتہ ایک امر صاحب قلم بنادیا۔ کرائے کیلا میں اُنکی زندگی اور موجودگی لوگوں کے لئے باعث رحمت سمجھی جاتی

To,

Tahsildar,Mangal pur circle

Dear sir,

I have to request you to report the progress of your collection of theJanuary last every week.Informations regarding collections are required on the following pointsare required on the following po int report

Date of Report	Demand		Realization	
	Total Amount of the arrest Kist for the circle	Total provides assears	Total up to date realization of the current kist	Total up to date realization of the preanomis assears

Yours sincierly
S/d F.Balkhi Special Magistrate
Camp Montaga 18.1.1939

تھی۔ اگر وہ زیادہ دنوں تک کرائے کیلا سے باہر رہے تو وہاں کی عام جنتا ان کے بغیر بے چین رہتی تھی۔ چنانچہ اسکا ایک دلچسپ واقعہ آپ کو سناتا ہوں۔

بلخی صاحب ڈھیکا نال اسٹیٹ میں:- ڈھیکا نال اسٹیٹ اڑیسہ کی ایک

مشہور اور خود مختار ریاست تھی۔ اسکے مہاراجہ، مہاراجہ سرائے کیلا کے قریبی رشتہ دار تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ریاست کی بدنظمی کے سبب وہاں کی رعایا مہاراجہ سے باغی ہوگئی اسٹیٹ کے باہر سے بھی ریاست کی رعایا کو ورغلانے کی کوشش کی گئی چنانچہ ستیہ گرہ شروع ہو گئی۔ وہاں کے راجہ نے ریاست سرائے کیلا سے درخواست کی کہ نظم و نسق کو درست کرنے اور بغاوت پر قابو پانے کے لئے بلخی صاحب کو وہاں بھیج دیا جائے۔ مہاراجہ سرائے کیلا انکار نہیں کر سکے۔ چنانچہ بلخی صاحب مرحوم کو وہاں (On deputation) بھیج دیا گیا۔ سب سے پہلے بلخی صاحب نے ہم لوگوں کو پٹنہ پہونچا دیا۔ پٹنہ سے ڈھینکانال جانے میں بلخی صاحب کو کچھ دیر ہو گئی چنانچہ مہاراجہ نے بلخی صاحب کے بخشی محلہ پٹنہ سیٹی کے پتہ پر تار دیا کہ وہ خود سرائے کیلا چلے آئیں تاکہ وہاں سے وہ جلد ڈھیکانال روانہ ہو جائیں۔ بلخی صاحب دوسرے دن جانے والے تھے لیکن اکسپریس ٹلیگرام پاتے ہی وہ اُسی دن شب میں روانہ ہو گئے۔ پٹنہ سے اُنکی روانگی کے دوسرے دن اخبار سے یہ معلوم ہوا کہ وہاں لاٹھی گولی کے بل بوتے پر بغاوت دبانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ میرے چھوٹے پھوپھا سید ظہور الدین احمد محلّہ لودی کٹرہ سے دوڑے ہوئے آئے اور بلخی صاحب کے اچانک جانے اور تار پانے کی خبر سنکر متفکر ہوئے میری والدہ مرحومہ نے جب اُن سے دریافت کیا تو اخبار کی خبر سے اُنہیں انہوں نے آگاہ کیا۔ والدہ مرحومہ نے رونا دھونا شروع کر دیا۔ حالانکہ اس وقت تک بلخی صاحب ڈھیکانال نہیں پہونچے تھے۔ سبھوں نے اُنہیں بہت سمجھایا لیکن انکی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں دور ہوئی۔ بلخی صاحب کے ڈھیکانال پہونچنے کے بعد اُنکا خط بخشی محلّہ پہونچا جس سے اُنکی خیریت معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حالات قابو میں ہیں۔ سارے گھر کے لوگوں نے خوشیاں منائیں۔ والدہ مرحومہ نے زنانہ میلاد کی محفل منعقد کی۔

بلخی صاحب نے ڈھیکانال پہونچنے کے بعد نہایت چابک دستی سے کام لیا وہاں کے لوگوں کو ریاست کا اعتماد دلایا۔ جو لوگ گرفتار تھے اُنہیں رہا کروایا اور وہاں کئی مہینوں تک رہبر انتظامیہ کو

---

1. G/X C Indian post & Telegraph Department HR 16.15
Saraikila - 17.10.1938
To, F.BulkhiBanki Mohalla Patna City
Maharaja urgently desires your presence for Dhenkanal come immediately.
Vice President (State council)

درست کیا۔ پرانے کاغذات کی تلاش میں مجھے چند پرزے اور خطوط ملے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ بخشی صاحب مرحوم نے ہر جگہ ہوشمندی سے کام لیا اور حالات کو معمول پر لانے میں ڈھینکانال کے دوسرے افسروں نے بھی انکی پوری پوری مدد کی۔ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۳۹ء کی ایک خفیہ رپورٹ بخشی صاحب کے پاس اڑیسہ کی ایک جگہ کمالنگ سے سی۔ آئی۔ ڈی نے پیش کی ہے جو نیچے درج کی جاتی ہے۔

Report

I have to report that I am regularly making rounds both the day and night with two riders Last night went to Gatia ghat with Ram Singh and found no Satyagrahi agitators or any leader They feld away from the State and the condition of the surrounding villages are developing grandualy and the people are coming to the side of the State

Kamaling | Submited

Camp | B Sanyal

Dated 17.1.39 | C.I.D.O

(ترجمہ) رپورٹ:- "میں مودبانہ رپورٹ پیش کرتا ہوں کہ میں رات دن گشت لگا رہا ہوں میرے ساتھ دو گھوڑ سوار ہیں۔ میں گذشتہ شب رام سنگھ کے ساتھ جٹیا گھاٹ گیا تھا۔ میں نے ستہ گرہی، مخالف تحریک کار یا لیڈر نہیں تھا۔ سب بھاگ گئے تھے قرب وجوار کے دیہاتوں میں حالات رفتہ رفتہ معمول پر آرہے ہیں اور اسٹیٹ میں اسٹیٹ سے باہر گئے ہوئے لوگ لوٹ رہے ہیں۔"

کمالنگ کیمپ | رپورٹ دہندہ

مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۳۹ | دستخط بی۔ سنیال سی۔ آئی۔ ڈی۔ او

بخشی صاحب مرحوم نے ریاست ڈھینکانال کی مالگذاریوں کی بقایا رقم وصولنے میں بھی نہایت ہی ہوشمندی سے کام لیا اور لوگوں پر بے جا دباؤ کسی طرح کا نہیں ڈالا اور ان کے اس سلسلہ میں جو بھی ماتحت رہے ان سے برابر رابطہ قائم رکھا۔ ۱۹ جنوری ۱۹۳۹ء میں بخشی صاحب موہنگا نامی جگہ میں کیمپ کئے ہوئے تھے وہاں سے وہ منگل پور سرکل کے تحصیلدار کو جو خط لکھتے ہیں اس سے انکی تصدیق ہوتی ہے۔

۳ر فروری ۱۹۳۹ء کو ایک خط بنام بخشی صاحب ایک ماتحت کا ہے جو بمشکل پڑھا گیا۔ جس

سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتک ۴/۱ حصہ بقایا رقم کا وصول ہو چکا ہے اور بچی ہوئی رقم کے واسطے وہ مزید مدد چاہتا ہے۔ ۱؎ یہی شخص سب پور (Sibe pur) نامی گاؤں جانے سے قبل ۷ / فروری ۱۹۳۹ء کو ایک دوسرا خط مرحوم کو لکھتا ہے جسمیں وہ لکھتا ہے کہ دوسرے دن واپس آنے پر وہ بقایا رقم کی فہرست پیش کرے گا۔ ۲؎ میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ ریاست ڈھینکانال میں جو بد نظمی اور گڑبڑی آئی اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ریاست سے باہر کی سیاسی تحریکوں سے ریاست کے اندر گڑبڑی پیدا کرنے والوں کو شہ مل رہی تھی۔ لہذا بلخی صاحب مرحوم نے جاتے ہی اس پہلو پر دھیان دیا کہ باہر سے ریاست میں نئے آنے والوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھی جائے لہذا وہ خود بھی جگہ جگہ گھوم گھوم کر دیکھتے رہتے تھے اور جگہ جگہ ایسا انتظام کیا تھا جس سے انہیں خبر ملتی رہے کہ ریاست کے اندر کون کون نئے لوگ آتے ہیں اور انکی نقل و حرکت کیسی ہے۔ اس سلسلہ میں انہیں ۱۵ جنوری ۱۹۳۹ء کو ایک رپورٹ ملی یہ اڑیہ زبان میں تھی۔ اس کاغذ کی پشت پر انگریزی زبان میں اس کا خلاصہ درج ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا تاریخ کو انگک سے تین نئے اشخاص آئے جو کہ کھادی سیوا سنگھ کے رکن تھے اور ان لوگوں کے ساتھ چار عورتیں بھی تھیں۔

مردوں کے نام (۱) گونانیدھی مہنتی (۲) من موہن چودھری اور (۳) گنگادھر داس تھا۔ ان مردوں کے ساتھ جو عورتیں تھیں انکے نام شوبھا دیوی، کنک لتا دیوی، ساوتری دیوی اور اوما دیوی تھے۔ بلخی صاحب نے ان نئے آنے والوں کے ساتھ کوئی سختی نہیں برتی بلکہ انہیں سمجھا بجھا کر ریاست سے باہر کروادیا۔ انہوں نے ریاست کے باہر کے لیڈروں سے بھی رابطہ قائم کیا اور یہ یقین دلایا کہ انکی تحریکوں سے ریاست کا کوئی تعلق نہیں ہے لہذا وہ ریاست کے امور سے دست بردار رہیں۔ بلخی صاحب ریاست ڈھینکانال میں اسپشل مجسٹریٹ ڈیپوٹیشن پر تھے۔ چنانچہ انہیں جگہ جگہ جانا

---

1. Respected Sir,

Your despatched two constables arrived today at 2.30 hours noon and helped me in excution work 1/4 of the de faulters have paid their assure dues. kindly send them on tomorrow for the same work.

I am yours obediently S/d Daitiyani Suri

O/C Montaga to send the costables from the one part tomorrow.

2. Respected Sir,

Today I am going to Sih pur village. Tomorrow I shall return from the there then Ishall give you the list of areas current year and last year. Ishall have honour to be sir, your most obedient servant Dailyan Suri,Kango

Dated 7.2.1939Khangrapura S/d. F.Balkhi 7.2.39

پڑتا تھا۔ ریاست میں ایک جگہ کا نام دس پلہ (Dass palla) تھا۔ وہاں کے اس۔ ڈی۔ او کا نام ام۔ پردھان تھا یہ اس۔ ڈی۔ او [1] ۲۸ر جنوری ۱۹۳۹ء کو پنگ (Paying) نامی جگہ پر کیمپ کئے ہوئے تھا چنانچہ وہ اُسی دن پنگ نامی جگہ سے ایک لمبا چوڑا خط بلخی صاحب مرحوم کو لکھتا ہے۔ اس خط کا ایک چوتھائی دایاں حصہ گل کر برباد ہو گیا ہے۔ حرف بھی بہت خراب ہے۔ بہرکیف اُس خط کو بہ دقت تمام پڑھنے سے یہ اندازا ہوتا ہے کہ بقایا رقم کی وصولی کے سلسلہ میں تشفی بخش کامیابی اور بدنظمی پر بھی قابو پانے سے متعلق باتیں ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں کلکٹر سے جو اسکی باتیں ہوئی ہیں انکا بھی ذکر ہے۔ بلخی صاحب کی کارکردگی سے متعلق بھی ہیں۔ دوسرے خط میں کسی مقدمہ سے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ کاروائی شروع کی جائے۔ یہ خط ۱۳ فروری ۱۹۳۹ء کا لکھا ہوا ہے۔ تیسرے خط میں کچھ نجی باتیں بھی ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس۔ ڈی۔ او نے یہ خط کسی تھانے سے لکھا ہے جس میں اسکے تیرہ برس کے بھتیجے (چندرارام) کے باحفاظت بھیجنے کی گذارش ہے۔

پرانے کاغذات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بلخی صاحب مرحوم لگ بھگ چھ ماہ تک ڈھیکانال میں بہت مشغول رہے اور ریاست کی حالت کو اپنی ذہانت اور لیاقت سے درست کیا۔ اس عرصہ میں بلخی صاحب مرحوم کی عدم موجودگی سرائے کیلا کی پرجا کو کھلنے لگی۔ چنانچہ اُنہوں نے مہاراجہ سے درخواست کی کہ بلخی صاحب کو جلد کرائے کیلا بھیجا جائے۔ مہاراجہ نے اپنی رعایا سے وعدہ تو کر لیا لیکن ڈھینکانال کے مہاراجہ نے انہیں نہیں چھوڑا بلکہ مہاراجہ سرائے کیلا سے درخواست کی کہ وہ انہیں ڈھینکانال میں کم از کم ایک سال کے لئے چھوڑ دیں۔ مہاراجہ سرائے کیلا پس و پیش میں پڑے۔ کرائے کیلا والوں کا دباؤ تھا کہ بلخی صاحب کو جلد وہاں بھیجا جائے اُنکا حاکم اُن سے دور نہیں رہیگا ادھر ڈھینکانال سے گذارش پر گذارش ہو رہی تھی کہ انہیں وہاں رہنے دیا جائے۔ کرائے کیلا والوں نے آخر تنگ آکر یہ فیصلہ کیا کہ کثیر تعداد میں پرجا سرائے کیلا جا کر راج گڈھ پر دھرنا دے۔ چنانچہ اُنہوں نے ویسا ہی کیا۔ مہاراجہ سرائے کیلا کو مجبوراً بلخی صاحب کو ایک سال کے اندر اندر ڈھینکانال سے بلانا پڑا۔ بلخی صاحب لگ بھگ سات ماہ ڈھینکانال میں رہے ہوں گے۔ ڈھینکانال سے بلخی صاحب سیدھے پٹنہ آئے

---

[1] بحوالہ خط بنام بلخی صاحب

M. Pradhan B.A.B.L (S.D.O)
Camp peying P.O.Deshpalta
(E.S.A) Orrissa 25.1.1939 D.Henkunal

اور دو دنوں تک رہ کر اپنی فیملی کے ساتھ کرائے کیلا کے لئے روانہ ہو گئے۔ ساتھ میں میرے چچیرے بھائی شفیع الدین بلخی عرف شبن مرحوم (نظام الدین بلخی مرحوم کے سب سے بڑے صاحبزادے) کو بھی لے لیا۔ بلخی صاحب تو راستے میں سرائے کیلا کے لئے بی۔ ان۔ آر کے ریلوے اسٹیشن سینی (SINI) میں اتر گئے اور ہم لوگ چکر دھر پور میں اترنے کے لئے ریل پر بیٹھے رہے۔ جب ہم لوگ کرائے کیلا پہونچے تو آہستہ آہستہ لوگ بنگلہ پر جمع ہونے لگے۔ اُن لوگوں نے ہم لوگوں کے آنے کی خبر سنکر یہ سمجھا بلخی صاحب بھی تشریف لا چکے ہیں۔ جب اُنہیں معلوم ہوا کہ وہ نہیں آئے صرف انکی فیملی آئی ہے تو انہیں مایوسی ہوئی۔ لوگوں کو شک ہوا کہ مہاراجہ سرائے کیلا نے اُنہیں بے وقوف بنایا ہے۔ بہر کیف اُنہوں نے ماتا جی (میری والدہ) سے بذریعہ پیغام دریافت کروایا۔ انہیں جب یقین ہو گیا کہ بلخی صاحب سرائے کیلا تشریف لا چکے ہیں تو اپنے اپنے گھر گئے۔ بلخی صاحب دوسرے ہی دن سرائے کیلا سے کرائے کیلا آگئے آنے کے بعد گاؤں گاؤں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور لوگ اپنے حاکم کے دیدار کے لئے بنگلہ پر آنے لگے۔

بلخی صاحب جب تک سرائے کیلا اسٹیٹ میں ملازم رہے ان کو برابر قرب و جوار کی ریاستوں میں جانیکا موقع ملا۔ راور کیلا، پٹنہ اسٹیٹ۔ مہور بھنج، کیونجھر وغیرہ ریاستوں میں اُنہیں اکثر جانے کا موقع ملا۔ کیونجھر اسٹیٹ کے میکینکل انجینیر فدا علی خان بلخی صاحب کے ملاقاتیوں میں تھے اور وہ کرائے کیلا اکثر اُن سے ملنے آتے تھے۔

بلخی صاحب جہاں بھی رہتے انکے غریب خانہ کا دروازہ، بڑے چھوٹے، بوڑھے، جوان، امیر غریب سب کے لئے کھلا رہتا۔ اس وقت پٹنہ میں اُنکے ملنے والوں میں جو بقید حیات لوگ موجود ہیں یہ جانتے ہیں کہ ہر حاجت مند اور خصوصی طور پر علم و ادب کا پیاسا ان کے دروازے سے محروم نہیں جاتا تھا۔ کرائے کیلا کے لوگ نہایت ہی سیدھے سادے تھے۔ ان میں توہم پرستوں کی تعداد زیادہ تھی۔ چنانچہ بھوت پریت، ڈائن وغیرہ پر وہ بہت یقین رکھتے تھے۔ بلخی صاحب انہیں توہم پرستی سے منع کرتے تھے۔ اگر انکی توہم پرستی تکلیف دہ اور پریشان کن ثابت ہوتی تو سختی سے کام لیتے تھے چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ آپ بھی سن لیجئے۔۔

ڈائن کا واقعہ:۔ بستی کی ایک بُوھیا سے لوگ بہت خائف تھے لوگوں کو یقین تھا کہ وہ ڈائن ہے۔ اُس نے بہتوں کا کلیجہ کھایا ہے۔ بلخی صاحب کے سامنے بھی لوگوں نے اس بڑھیا کا ذکر کیا۔ وہ زیر لب مسکرائے اور اُن لوگوں سے کہا کہ اگر واقعی وہ بڑھیا ڈائن ہے تو اُسے میرے پاس

لاؤں۔ میں حکومت برطانیہ کو اس کی تعریف لکھ بھیجتا ہوں۔ دوسری عالمگیر جنگ چھڑ چکی ہے۔ انگریز لوگ اپنے دشمنوں سے بہت پریشان ہیں۔ اُن کا خرچ بھی کافی ہو رہا ہے۔ کافی لوگ جنگ میں اب تک کام آ چکے ہیں۔ حکومت برطانیہ اس بڑھیا کو بہت اچھی تنخواہ پر رکھ لے گی تاکہ وہ انگریزوں کے تمام دشمنوں کو کھا جائے۔ لوگ بلجی صاحب کی بات سنکر خاموش رہے۔ کچھ جواب نہیں دیا۔

دوسرے دن یہ معلوم ہوا کہ گاؤں والوں نے اس بڑھیا کی کافی پٹائی کی صرف یہی نہیں بلکہ اسے زبردستی نجاست بھی کھلادی تاکہ وہ اپنا فن بھول جائے۔

بلجی صاحب یہ سن کر بہت برہم ہوئے۔ داروغہ کو بلا کر یہ ہدایت کی کہ اس انسانیت سوز ظلم کے جتنے بھی لوگ مرتکب ہیں اُن پر مقدمہ چلایا جائے۔ مقدمہ بلجی صاحب کے اجلاس میں پیش ہوا اور انہوں نے سارے مجرموں کی سزا کردی۔ یہی نہیں بلکہ داروغہ سے کہا کہ سارے گرائے کیا میں اسٹیٹ کی طرف سے یہ اعلان کردیا جائے کہ آئندہ ایسے انسانیت سوز مظالم کے لئے سختی سے سزا دی جائے گی۔ اس اعلان کا اثر یہ ہوا کہ آئندہ کسی نے بھی کسی عورت کے ڈائن ہونے کے بارے عام اعلان نہیں کیا۔

بلجی صاحب سے گرائے کیا والوں کے تعلقات پریشان کن بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ ایسے موقع پر وہ انہیں عقل سے کام لینے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ توہم پرست لوگوں نے رفتہ رفتہ انہیں دیوتا سمجھنا شروع کردیا تھا۔ اسکے کچھ اسباب بھی تھے۔ میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ ہر خاص و عام کے لئے انکا دروازہ کھلا رہتا تھا۔ کسی کو کوئی تکلیف ہوئی دوڑا ہوا ان کے پاس آیا اگر انہوں نے محسوس کیا کہ اُنکا مرض معمولی نہیں بلکہ خطرناک ہے تو اسے ڈاکٹر سے علاج کرانے کی رائے دیتے تھے۔ خصوصی طور پر چکردھر پور کے مشہور بنگالی ڈاکٹر حبیب الرحمان سے ملنے کے لئے کہتے تھے۔ ہم لوگوں کے بھی فیملی ڈاکٹر وہی تھے۔

ایک پاگل عورت :- ایک روز صبح کے وقت دور کے گاؤں سے ایک پاگل عورت کو لگ بھگ آٹھ دس آدمی لائے۔ اس عورت کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ اسے وہ لوگ ایک کھٹولی پر لادے تھے اسکا جسم بھی کھٹولی سے بندھا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے بلجی صاحب سے کہا کہ چند دنوں قبل یکایک یہ عورت پاگل ہوگئی۔ رات میں اسے نیند ایکدم نہیں آتی ہے چونکہ اس نے پتھر چلا کر کئی لوگوں کو زخمی کردیا ہے اسلئے ہر وقت اسے باندھ کر رکھا جاتا ہے۔ ہر وقت یہ چلاتی رہتی ہے۔ بلجی صاحب

نے غور سے اس عورت کو دیکھا اور ان لوگوں کو مشورہ دیا کہ فوراً اسے ڈاکٹر کو دکھائیں۔ اس کے گھر والوں نے اپنی غربت کے سبب مجبوری ظاہر کی۔ بنگلہ پر کافی لوگ جمع ہو گئے تھے بلخی صاحب نے پانچ روپے پہنچا کراسکے مرد کو دیئے دوسرے موجود لوگوں نے بھی روپے آٹھ آنے سے اسکی مدد کی۔ پیسے اتنے ہو گئے تھے کہ وہ لوگ اس عورت کا علاج ڈاکٹر سے کروا سکتے تھے۔ لہذا بلخی صاحب نے ان لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ لوگ اس عورت کو لئے ہوئے سیدھے چکردھر پور چلے جائیں۔ بلخی صاحب سے ان لوگوں نے اصرار کیا کہ وہ بھی اپنی دوا اسے دیں۔ اصرار کے باوجود بلخی صاحب نے کوئی دوا نہیں دی صرف یہی کہا کہ میں بھگوان سے پرارتھنا کرونگا۔ یہی کافی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ مایوس ہو کر بنگلے سے واپس گئے۔ عجب اتفاق کہ اس عورت نے ڈاکٹر کی ٹھیک سے دوا بھی نہیں کھائی اور جلد ہی بالکل اچھی ہو گئی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بلخی صاحب مہاگن والے مشہور ہو گئے۔ جب لوگوں نے آکر اس عورت کا حال سنایا تو بلخی صاحب بہت خوش ہوئے۔ ان لوگوں کے کہنے کا یہ انداز تھا کہ اس عورت کی شفا "حاکم کی چمتکار ہے" بلخی صاحب نے انہیں ایسا یقین کرنے سے منع کیا اور یہ کہا کہ مجھ میں کوئی ایسی بات نہیں میں بھی تم لوگوں ہی کی طرح ایک انسان ہوں۔

میں نے رات میں والد مرحوم سے جب دریافت کیا تو اسکا جواب مرحوم نے یہی دیا کہ "نہیں بیٹا! مجھ میں کوئی ایسی طاقت نہیں حقیقت صرف اس قدر ہے کہ میں نے نماز میں اللہ سے اسکی صحت کلی کے لئے بار بار دعا کی تھی۔ یقیناً میری دعا اللہ نے قبول کرلی۔ اسی لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ نماز پابندی سے پڑھا کرو اللہ کا کلام ورد کرنے سے وہ زبان میں اثر پیدا کرتا ہے اور بندے کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ بلخی صاحب مرحوم نے بیس برسوں تک ریاست سرائے کیلا میں ملازمت کی اور طرح طرح کے عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۶ء تک کے سارے واقعات مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں سرائے کیلا اور بناس کے محکمہ آبکاری کی پوری دیکھ بھال بلخی صاحب کے سپرد رہی۔ ا

Order No - 27G

Dated Sarai kella The 24March 1936

Mr. F Balkhi will remain incharge of supervision of excise shops of Sarai kella and Banas Jamadar G.S.Mahanty will be the incharge of the management and will be responsible direct to the Asstt collector, so far as the commercial side is concerned.He will act being a changed by the A.C.All will in the this conection are to be singed by the A.C.

Sd/ Thanks

F Balkhi — vice president state council Saraikilla

دوسری عالمگیر جنگ چھڑنے پر گرانی بڑھنے لگی۔ تمام اشیائے ضروری بازار سے عنقا ہونے لگیں۔ ساری چیزوں پر کنٹرول ہو گیا اس وقت بلخی صاحب پورے اسٹیٹ کے سول سپلائی آفسر بھی ہو گئے۔ انکی فیملی کرائے کیلا میں رہتی تھی لیکن انکا وقت زیادہ تر سرائے کیلا میں گذرتا تھا۔ وہ ہفتہ میں دو تین دنوں کے لئے کرائے کیلا بھی آتے تھے۔ زیادہ تر انکا قیام سرائے کیلا میں رہتا تھا۔

۱۹۴۴ء کا قحط :-

ہنگامے کے وقت اسٹیٹ میں بلخی صاحب مرحوم کی کارکردگی

دوسری جنگ عظیم ہی کے دوران بنگال کا مشہور قحط (۱۹۴۳ء) رونما ہوا۔ اس قحط سے صوبہ بہار کے بھی بہت سارے حصے متاثر ہوئے۔ سنگھ بھوم مان بھوم سنتھال پرگنہ پر اس قحط کا برا اثر کافی پڑا۔ سرائے کیلا اسٹیٹ کے لوگ بھی اس قحط سے کافی متاثر ہوئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ چاول کچھ دنوں کے لئے بازار سے گویا ایکدم عنقا ہو گیا تھا۔ اُن دنوں میں ریلوے اسکول چکردھرپور کا طالب علم تھا۔ ایک دن میرے ہیڈ ماسٹر شری لکھی پرشاد دکشت نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے والد سے سفارش کر کے کچھ چاول اُنہیں مہیا کردوں۔ میں نے والد مرحوم سے کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اسٹیٹ سے باہر چاول خرید کر بھیجنا جرم ہے لہذا میں ایسا کرنے سے مجبور ہوں۔ بہر کیف اپنے استعمال کے چاول میں سے اُنہیں تھوڑا دے دونگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ہم لوگوں کے بنگلہ سے متصل جو ہاٹ بگان تھا اسمیں بھوک سے مرتے ہوئے لوگوں کو میں نے خود دیکھا۔ اکثر صبح میں داروغہ آکر والد صاحب کو اموات کی خبریں دیتا تھا۔ والد مرحوم اُن دنوں بہت پریشان رہتے تھے۔ مہاراجہ نے اُنہیں پورا پورا اختیار اس سلسلہ میں دے دیا تھا۔ کرائے کیلا پیٹر کے پسنتھ مواضع پر اس قحط کا اثر زیادہ تھا۔ لہذا بلخی صاحب نے سرائے کیلا سے کرائے کیلا بار بار آنے کا پروگرام ملتوی کر دیا۔ اور باضابطہ کرائے کیلا آگئے اپنے ساتھ آرمڈ فورس کے دستے بھی لائے۔ کچھ مخبروں کو بھی ساتھ لائے۔ ریاست سے ایک اچھی خاصی رقم بھی کرائے کیلا پیڑ کے لئے حاصل کی۔ جس بنگلہ میں کچہری تھی اور انکا اجلاس ہوتا تھا اُسمیں چھ بڑے بڑے کمرے تھے۔ کورٹ کے لئے ایک کمرے کو مخصوص کر کے باقی پانچ بڑے کمروں اور اندورنی حصہ کے بڑے برآمدے کو گھیر کر ساتھ ساتھ بھنڈار گھر کو ذخیرہ اندوزی کے لئے خالی کرایا۔ سبھی بڑے بڑے کاشتکاروں اور بنیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے پاس جمع غلوں کی تفصیل سے اسٹیٹ کو آگاہ کریں۔ مخبرین آکر کاشتکاروں

اور بنیوں کے پاس محفوظ اور چھپائے ہوئے غلّوں کی جانکاری انہیں کراتے تھے۔ پورا ثبوت ملنے پر بلخی صاحب آرمڈ فورس کی مدد سے دھاوا بولتے تھے۔

اسٹیٹ کے منظور شدہ نرخ کے مطابق اُن بنیوں اور کاشتکاروں سے نقد قیمت پر غلے خرید کر کچہری کے بنگلہ میں جمع کئے جاتے تھے اور سستے داموں فی کس ایک پنیلا[1] کے حساب سے حاصل شدہ غلے غریب رعایا میں روزانہ دو بجے دن سے پانچ بجے شام تک تقسیم کئے جاتے تھے۔ بلخی صاحب کی یہ ترکیب کافی کارگر اور مفید ثابت ہوئی اور وہ غریب عوام میں اس نیک کام کے سبب بہت مقبول ہوئے۔ کاشتکاروں اور بنیوں سے وہ سختی کے ساتھ غلے خریدوا کر کچہری میں جمع کرتے تھے اس سلسلہ کا ایک دلچسپ واقعہ بھی سن لیجئے۔

میرے ایک ہم جماعت کا نانا، بڑا کاشتکار تھا۔ ہم دونوں چکردھرپور ریلوے اسکول میں ساتھ پڑھتے تھے۔ اس لڑکے کے نانا کے بارے میں سی۔ آئی۔ ڈی نے یہ خبر دی کہ اُس نے اپنے ذخیرہ کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ بلخی صاحب مرحوم یہ سنکر چوکنا ہوگئے۔ چنانچہ اُسکے مکان پر دھاوا بول کر از سرے نو پھر خانہ تلاشی لی پورے گھر کا ٹھیک سے جائزہ لینے کے باوجود غلے برآمد نہیں ہوئے چنانچہ جب وہ مویشی خانہ کی طرف بڑھے تو گھر والوں نے کہا کہ حاکم ادھر کچھ بھی نہیں ہے۔ بلخی صاحب کو شک ہوا۔ وہ مویشی خانہ میں داخل ہوئے تو اپنا داہنا پاؤں زور سے زمین پر پٹکا۔ چنانچہ دھم سے آواز ہوئی۔ بغل میں کھڑے سپاہی سے رائیفل لے کر اُسکی سنگین زمین میں گاڑنی چاہی تو نیچے بچھے ہوئے تختے پر وہ گڑ گئی۔ بلخی صاحب کو یقین ہو گیا کہ غلے یہی زمین کے اندر چھپا کر رکھے گئے ہیں۔ تختوں سے پاٹ کر اوپر مٹی بچھا کر لیپ دیا گیا ہے اور چاروں طرف پوال پھیلا دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ سارے تختوں کو ہٹانے پر سارے غلے برآمد ہوگئے۔

سرکاری غلوں کے گودام سے رعایا کو ضرورت کے مطابق غلے کی تقسیم کے باوجود بلخی صاحب بہت متفکر رہتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک مشہور مارواڑی بسنت لال اُن سے ملنے آئے۔ بلخی صاحب مرحوم نے اُن سے کہا کہ آپ کو اللہ نے بہت کچھ دیا ہے آپ بذات خود ایک دھارمک انسان ہیں۔ اس وقت زیادہ سے زیادہ آپ کو پُن کا کام کرنا چاہئے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ سرکاری ذخیرہ بہت جلد ختم ہو جائیگا۔ باہر بھی میں نے غلے کی سپلائی کے لئے خط و کتابت کی ہے۔ برطانوی

---

[1] وہاں کے پیمانہ کا نام

حکومت مدد ضرور کریگی لیکن سپلائی میں کافی دیر ہوگی۔ اگر اس بیچ سرکاری ذخیرہ ختم ہو گیا تو غریبوں کا کیا حال ہوگا۔ بسنت لال نے جواب دیا کہ اس وقت حضور کی تحویل میں چینی ضرورت سے فاضل ہے یہاں کے لوگ چائے بہت کم پیتے ہیں برعکس اسکے چائباسہ اور چکردھرپور میں دیکھا ہے کہ چینی کی سخت قلت ہے آپ اگر ایک خط وہاں کے سپلائی افسر کو لکھ دیجئے تو میں خود جاکر اُن سے باتیں کرونگا امید ہے کہ وہ چینی لیکر اسکے عوض غلہ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ صرف مہاراجہ کے حکم کی ضرورت ہے ورنہ باقی کام میں خود کرلونگا۔ بلخی صاحب نے جواب دیا کہ میں تمام پرائیوٹ اسٹاک کی فہرست طلب کرتا ہوں۔ مہاراجہ صاحب سے حکم لینے کی ضرورت نہیں۔ آپ اس کام کے لئے آمادہ ہو جائیے۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ کرائے کیلا سے فاضل چینی کا اسٹاک باہر بھیج دیا گیا جسے وہاں کے سپلائی افسر نے بخوشی قبول کیا اور باہر سے اُسی قیمت کا چاول اسٹیٹ کے اندر یعنی کرائے کیلا لایا گیا۔ بلخی صاحب مرحوم کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ کرائے کیلا کے بنیے اسٹیٹ کوٹا کی چینی اسٹیٹ سے باہر جاکر چکردھرپور میں بلیک کرتے ہیں۔ اس بلیک مارکٹنگ کو روکنے کی بھی یہ ایک کارگر ترکیب ثابت ہوئی۔

بلخی صاحب نے بسنت لال سے یہ بھی کہا کہ اسٹیٹ کوٹا کے کپڑوں میں کافی تعداد سوپر فائن کی ہے۔ یہ کپڑے بھی اسٹیٹ سے باہر اس شرط پر لے جاسکتے ہیں کہ انکے عوض غلہ یہاں لایا جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ آئندہ اسٹیٹ کوٹا (کپڑوں کا) حاصل کرنے کے لئے بذاتِ خود بمبئی جائیں گے۔

بمبئی کا سفر:۔ بلخی صاحب مرحوم کی صحت زیادہ کام کرنے کے سبب رفتہ رفتہ گرنے لگی تھی اس کے باوجود وہ کام کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ میری والدہ مرحومہ کے سمجھانے کے باوجود وہ آرام نہیں کرتے تھے۔ صرف جواب یہی دیتے تھے کہ جب تک ملازمت میں ہوں اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھنا ضروری ہے۔ میں خود سوچ رہا ہوں کہ ملازمت سے سبکدوشی کی درخواست دوں اور پنشن یافتہ زندگی گذاروں لیکن سردست اسکی صورت نظر نہیں آتی۔ راجہ صاحب سے اس سلسلہ میں باتیں ہو چکی ہیں۔ بمبئی سے واپس آنے پر پھر کوشش کرونگا۔ مختصر یہ کہ وہ بمبئی کے لئے روانہ ہوگئے۔ پورے اسٹیٹ میں کپڑوں کی سخت قلت تھی۔ موٹے اور معمولی کپڑوں کی زیادہ ضرورت تھی۔ کپڑوں کی دوکانوں سے کپڑے (خصوصی طور پر موٹے کپڑے) ایکدم غائب ہو

چکے تھے بلخی صاحب کے ساتھ اسٹیٹ کی طرف سے معمور پانچ مارواڑی بھی گئے تھے۔ یہ بھی کپڑوں کے تاجر تھے۔ کپڑوں کی ملوں سے براہ راست رابطہ قائم کر کے اسٹیٹ کوٹا کے کپڑوں کی جلد از جلد دستیابی اصل مقصد تھا۔

بمبئی میں بلخی صاحب مرحوم نے لگ بھگ بیس دنوں تک قیام کیا۔ عجیب اتفاق کہ جس روز یہ لوگ وہاں پہونچے۔ اُسی دن اچانک شہر میں ہندو مسلم فرقہ وارانہ فساد برپا ہو گیا۔ یہ خبر سنتے ہی گھر والوں کو تشویش ہوئی مہاراجہ صاحب بھی متفکر ہوئے۔ ایک دن صبح میں اسٹیٹ کے امین بلبھدر مہتوں سرائے گیا اسے کرائے گیا آئے اور راجہ صاحب کا یہ پیغام سنایا کہ انہوں نے بمبئی سے رابطہ قائم کر کے بلخی صاحب کا حال دریافت کیا ہے۔ وہ خیریت سے ہیں اور ابھی دس پندرہ دنوں تک انکا وہاں قیام رہیگا۔ گھر کے لوگوں کو خیریت سنکر اطمینان ہوا۔ ایک ہفتہ کے اندر اندر بلخی صاحب کا بمبئی سے خط بھی آیا جس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ فلم کمپنی کے ڈائرکٹر جناب شرف الدین خلیل (خواجہ فخر الدین سخن شاگرد غالب دھلوی کے اپنے نواسے) کے یہاں مقیم ہیں۔ خواجہ فخر الدین سخن صوبہ بہار میں صدر اعلیٰ کے عہدہ پر فائز تھے انکا مکان بخشی محلّہ میں (جہاں ہم لوگوں کا موروثی مکان تھا) صدر اعلیٰ صاحب کی حویلی کے نام سے مشہور تھا۔ خواجہ فخر الدین سخن کے لڑکوں میں ایک خواجہ معین الدین، دوسرے خواجہ حمید الدین، تیسرے خواجہ رضی الدین اور چوتھے خواجہ حفیظ الدین تھے۔ یہ سبھی اب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ بلخی صاحب مرحوم کے ان چاروں سے بہت اچھے مراسم تھے ان میں صرف بڑے یعنی خواجہ معین الدین بلخی صاحب سے عمر میں بڑے تھے ورنہ باقی اُنہیں فصو بھائی کہتے تھے۔

اُن دنوں بمبئی میں خواجہ فخر الدین سخن کے سب سے چھوٹے لڑکے خواجہ حفیظ الدین بھی اپنے بھانجے کے ساتھ رہتے تھے۔ اور ان کی فلم کمپنی میں ملازم تھے۔ شرف الدین خلیل کے ایک دوست مراد تھے اُن کے ساتھ ملکر انہوں نے خلیل اینڈ مراد پروڈکشن نامی ایک فلم کمپنی قائم کی تھی۔ جن دنوں بلخی صاحب مرحوم بمبئی گئے شرف الدین خلیل کی نامی گرامی فلم "بھائی جان" کی شوٹنگ آخری مراحل طئے کر رہی تھی۔ یہ فلم تیار ہونے پر سارے ملک میں بہت مشہور ہوئی۔ اس فلم کا ہیرو کرن دیوان تھا اور اس وقت کی مشہور ایکٹرس نور جہاں اسکی ہیروئن تھی جو ان دنوں مقیم پاکستان ہو کر ملکہ ترنم کے خطاب سے فیض یاب ہے۔

بلخی صاحب مرحوم بمبئی میں بیس دنوں تک مقیم رہے۔ اسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہاں انہیں اپنا من پسند ادبی ماحول ملا۔ وہ کہتے تھے کہ اُن دنوں خلیل صاحب کی رہائش گاہ پر شہر اور ملک کے مشہور ادبا و شعراء آتے رہتے تھے۔ اور شعر و شاعری کا بھی دور چلتا تھا۔ خلیل صاحب کی فلم کمپنی سے وابستہ ملک کے چند مشہور اہل قلم تھے ان میں علامہ آرزو لکھنوی اور پرتو لکھنوی کے نام خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ آرزو لکھنوی مرحوم سے بلخی صاحب مرحوم کے تعلقات پہلے ہی سے تھے وہاں جانے پر دونوں ایک دوسرے کو دیکھکر بہت خوش ہوئے آرزو لکھنوی نے اپنے شعری مجموعہ فنِ عروض پر اپنی کتاب "میزان الحروف" بطور ہدیۂ خلوص بلخی صاحب کو دی۔ ان لوگوں کے علاوہ پروفیسر نجیب اشرف ندوی مرحوم سے بھی بلخی صاحب مرحوم کی ملاقات ہوئی۔ خواجہ حفیظ الدین مرحوم نے وہاں فلمی فنکاروں پر یہ راز فاش کیا کہ بلخی صاحب ایک اچھے ماہر علم نجوم بھی ہیں۔ چنانچہ فلمی پیشہ سے تعلق رکھنے والوں نے اپنی اپنی جنم کنڈلی بنانے کی بلخی صاحب سے درخواست کی۔ بمبئی سے واپس آنے پر بلخی صاحب نے اُن لوگوں کی فرمائش پوری کی۔

بمبئی سے واپسی:- بلخی صاحب مرحوم بمبئی سے علیل ہو کر واپس آئے۔ اوپر عرض کر چکا ہوں کہ انکی صحت خراب ہو چلی تھی اور کاموں کی زیادتی سے سبب انہیں آرام کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ بمبئی سے واپس آنے پر وہ سخت علیل ہوئے۔ کافی دنوں تک بستر پر رہے گردے میں درد کی شکایت تھی وہ شکایت اس وقت دور ہوئی جبکہ دواؤں کے ذریعہ قارورہ سے چھوٹی الائچی کے برابر پتھر خارج ہوا۔ شفا پاتے ہی وہ سرائے کیلا گئے اور راجہ صاحب سے درخواست کی کہ اُنہیں آرام کرنے کا موقع دیا جائے۔ کچھ دنوں کی چھٹی لے کر وہیں سرائے کیلا میں مقیم رہے۔

ایک دوسرے مجسٹریٹ اور ایک سرکاری وکیل کی تقرری:- اس ملاقات میں راجہ صاحب نے مرحوم سے یہ خواہش ظاہر کی کہ ایک باصلاحیت مجسٹریٹ اور ایک سرکاری وکیل کا وہ نام تجویز کریں۔ اُنہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہندو مسلمان کی کوئی قید نہیں ہے آدمی صلاحیت اور اعتماد کے ہوں۔ انہوں نے بلخی صاحب سے یہ بھی کہا کہ ہائی کورٹ کے لئے ایک جج کی بھی ضرورت ہے اگر انکے بھتیجے رفیع الدین بلخی صاحب ایڈوکیٹ تیار ہو جائیں تو سب سے بہتر ہے۔

مختصر یہ کہ بلخی صاحب کے ذمہ تین اشخاص کی تقرری کا سوال تھا۔ بلخی صاحب مرحوم یہ جانتے تھے کہ رفیع الدین بلخی مرحوم اس عہدہ کے لئے تیار نہیں ہوں گے اسلئے کہ وہ پٹنہ ہائی کورٹ

کے ایک مشہور وکیل تھے۔ وکالت چھوڑ کر اسٹیٹ سروس میں جج کا عہدہ قبول کرنے کا مطاب کافی نقصان اٹھانا تھا۔ پھر بھی انہوں نے رفیع الدین بلخی تک مہاراجہ کا پیغام پہونچا دیا۔ رفیع الدین بلخی مرحوم کو مہاراجہ سرائے کیلا اچھی طرح جانتے تھے اسلئے کہ انہوں نے انکے (مہاراجہ صاحب کے) گورنمنٹ آف انڈیا سے دو مقدموں میں اپنی انتہائی ذہانت کا ثبوت دیا تھا اور بڑے ہی خلوص کے ساتھ انکی وکالت کی تھی۔

اب رہی بات ایک سرکاری وکیل اور ایک مجسٹریٹ کی، مہاراجہ کے سامنے بلخی صاحب نے دو نام برجستہ پیش کئے۔ مہاراجہ نے کہا کہ اگر وہ لوگ تیار ہو جائیں تو فوراً تار دے کر انھیں بلوائیے۔ بلخی صاحب نے حکم کی تعمیل کی۔

اب سنئیے یہ حضرات کون تھے؟ بلخی صاحب نے مجسٹریٹ کے عہدے کیلئے اپنے نہایت ہی قریبی دوست ڈاکٹر عظیم الدین۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (جرمنی) پروفیسر پٹنہ یونیورسیٹی کے سب سے بڑے لڑکے علیم الدین احمد۔ ایم۔ اے۔ بی۔ ایل عرف مالو اور سرکاری وکیل کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف کے داماد مولوی عبدالجلیل مرحوم کا انتخاب کیا۔

میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ اس خاندان سے ہم لوگوں کے مراسم شروع ہی سے رہے ہیں۔ اس خاندان کا صرف ایک ہی فرد ہملوگوں کے خاندان سے بالکل الگ تھلگ شروع ہی سے رہا ہے اور آج تک یہی حال ہے۔ ورنہ اس خاندان کے دوسرے افراد اور ہم لوگوں کے باہم مراسم ہنوز برقرار ہیں چنانچہ اسی بنا پر ڈاکٹر صاحب موصوف مرحوم کی بیٹی یعنی مولوی عبدالجلیل مرحوم کی اہلیہ کو میں مسعودہ بوبو کہتا ہوں۔ علیم الدین مرحوم کو میں مالو بھائی کہتا تھا۔ جلیل بھائی کے لڑکے جمیل صاحب انکی شریک حیات اشرف سلمہا، ڈاکٹر قیام الدین احمد پی۔ ایچ۔ ڈی (مالو بھائی کے لڑکے) کی اہلیہ اور گھر کی سبھی عورتیں جو مجھ سے عمر میں چھوٹی ہیں مجھے ماموں کہتی ہیں۔ جن دنوں میں پٹنہ ہسپتال میں زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار تھا جلیل بھائی مرحوم کے لڑکے جمیل صاحب نے جو احسانات مجھ پر اور میری شریک حیات پر کئے ہیں میں انھیں کبھی بھول نہیں سکتا۔

بہر کیف مہاراجہ کی ہدایت کو مد نظر رکھتے ہوئے بلخی صاحب مرحوم نے فوراً ڈاکٹر عظیم الدین احمد صاحب کو تار دیا کہ وہ فوراً مالو بھائی اور جلیل بھائی کو سرائے کیلا بھیج دیں۔

تار پاتے ہی یہ دونوں سرائے کیلا کے لئے روانہ ہو گئے۔ چنانچہ ایک دن صبح ہی یہ دونوں

بلخی صاحب کے بنگلہ پر سرائے کیلا آئے۔ بلخی صاحب سرائے کیلا میں ان دونوں کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ ناشتہ کے بعد بلخی صاحب مرحوم دونوں کو ساتھ لیکر راج گڑھ گئے۔ مہاراجہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فوراً حکم دیا کہ آج ہی ان دونوں کو پروانہ، ملازمت دے دیا جائے۔ مہاراجہ بذات خود بہت ہی باصلاحیت تھے اپنے ملازم افسران سے وہ انگریزی میں گفتگو کرتے تھے۔ انھوں نے ان دونوں سے تعلیم اور پتہ کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ ان کے حسب ذیل الفاظ ان دونوں کے لئے بہت ہی معنی خیز تھے۔

(ترجمہ) ''کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے۔ میں جناب بلخی صاحب کو اپنے خاندان کے ایک فرد کی طرح سمجھتا ہوں۔ یہ بہت ہی لائق، ایماندار اور قابل ہیں۔''

"Do you know? I treat Mr. Balkhi as one of my family members. He is most,able, honest and sincere.

بنگلہ واپس آنے پر مالو بھائی نے بلخی صاحب مرحوم سے پوچھا کہ مہاراجہ نے ہم لوگوں کے بارے میں ہم لوگوں سے کچھ نہیں پوچھا صرف آپکا تعارف انھوں نے ہم لوگوں سے کرایا۔ بلخی صاحب مرحوم نے صرف اسقدر جواب دیا کہ مہاراجہ بہت کم بولتے ہیں لیکن باتیں بہت جچی تلی ہوتی ہیں۔ انھوں نے میری تعریف میرے منہ پر مجھے خوش کرنے کے لئے نہیں کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ لوگ بھی خود کو انکی نگاہ میں ایسا ہی ثابت کیجئے۔

بلخی صاحب مرحوم نے اپنا سرائے کیلا کا بنگلہ ان لوگوں کے حوالے کیا اور کرائے کیلا کے لئے روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت ان لوگوں سے یہ کہا کہ سرائے کیلا پہنچنے پر ایک اچھا باورچی ان لوگوں کے لئے بھیج دینگے۔ سرائے کیلا آنے پر بلخی صاحب نے اپنے پرانے نمک خوار باورچی سلیم کو فوراً سرائے کیلا بھیج دیا جو مالو بھائی مرحوم کے ساتھ اس وقت تک رہا جب تک کہ وہ وہاں جوڈیشیل مجسٹریٹ (فرسٹ کلاس) رہے۔ جب ریاست سرائے کیلا جمہوریہ، ہند میں ملائی گئی تو مالو بھائی کا تبادلہ سرائے کیلا سے سیوان ہو گیا۔ چنانچہ وہیں اُنھوں نے ملازمت سے سبکدوش ہو کر اپنے پرانے پیشے وکالت میں تادم آخر مصروف رہے۔ جلیل بھائی مرحوم اپنی خرابی صحت کے سبب زیادہ دنوں تک ریاست کے ملازم نہ رہ سکے چنانچہ سال ڈیڑھ سال کے اندر ہی وہ پٹنہ آکر پھر وکالت کرنے لگے۔

بلخی صاحب مرحوم چائباسہ میں:- بلخی صاحب مرحوم نے یہ سمجھا تھا کہ

ایک مجسٹریٹ اور ایک سرکاری وکیل کی تقرری کے بعد انہیں ریاست کی ملازمت سے سبکدوشی جلد حاصل ہو جائیگی۔ لیکن ایسا نہ ہو پایا۔ کرائے کیلا آنے پر ایک دن انہوں نے اپنی شریک حیات سے یہ کہا کہ وہ میرا داخلہ پٹنہ سیٹی اسکول میں کرا دینا چاہتے ہیں۔ میں ریلوے ہائی اسکول چکر دھر پور میں زیر تعلیم تھا۔ انہوں نے والدہ مرحومہ سے یہ بھی کہا کہ وہ پنشن یافتہ زندگی اب اپنے وطن میں گذاریں گے اسلئے کہ انہیں وہاں پٹنہ یونیورسٹی میں ناظم شعبہ، مخطوطات کی نوکری مل جائے گی۔ اس سلسلہ میں انکے دوست ڈاکٹر کالی کنکر دت صدر شعبہ، تاریخ پٹنہ یونیورسٹی اور پروفیسر سید حسن عسکری سے باتیں ہو چکی ہیں۔ لہذا انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ بخشی محلہ کے مکان کو کرایہ دار سے خالی کرا دیں۔ ہم لوگوں کے موروثی مکان بخشی محلہ میں اُن دنوں ڈاکٹر مبارک عظیم آبادی کے سب سے بڑے لڑکے کرایہ دار تھے۔ پروگرام بن چکا تھا کہ بہت جلد ہم لوگ کرائے کیلا کو خیر باد کہیں۔ یہ واقعہ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ ۱۹۴۲۔۴۳ کا ہے۔ لیکن یہ پروگرام جلد پایۂ تکمیل کو نہیں پہونچ۔ کا اسلئے کہ مہاراجہ سرائے کیلا کے نام ایک چٹھی سنگھ بھوم کے ڈپٹی کمشنر کی اچانک آئی۔ اسمیں مہاراجہ سرائے کیلا سے یہ گذارش کی گئی تھی کہ کم از کم دو سال کے لئے بلخی صاحب کو چائباسہ بحیثیت لینڈ ار کوزیشن افسر (Land Acqusation Officer) ڈیپوٹیشن (On deputation) پر بھیج دیا جائے۔ مہاراجہ ایک چپقلش میں مبتلا ہو گئے اسلئے وہ بلخی صاحب کو ملازمت سے سبکدوش کرنے کا وعدہ کر چکے تھے۔ انہوں نے بلخی صاحب مرحوم کو سرائے کیلا بلوا بھیجا۔ چائباسہ کے ڈپٹی کمشنر کا خط انہیں دکھلایا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کہ اس وقت سنگھ بھوم میں نئی سڑکوں کی تعمیر کا کام ڈپٹی کمشنر صاحب کے پیش نظر ہے۔ سڑک کرائے کیلا سے بھی ہو کر گذریگی۔ لہذا یہ نہایت ضروری ہے کہ اسٹیٹ کا کوئی باصلاحیت آدمی موجود رہے تاکہ زمین اکوائر کرتے وقت اسٹیٹ کا کوئی نقصان نہ ہو اور ساتھ ساتھ یہ بھی مد نظر رہے کہ اچھی زمین اکوائر نہ ہو۔ لہذا میری گذارش یہ ہے کہ آپ سال دو سال تک ملازمت سے سبکدوش ہونے کا ارادہ ترک کر دیں۔ آپ سنگھ بھوم ضلع میں ڈیپوٹیشن (On deputation) پر رہیں گے لیکن موقع ملنے پر کرائے کیلا اور سرائے کیلا بھی آتے رہیں گے۔ آپ کو سفر میں کوئی دشواری نہیں ہوگی اسلئے کہ حکومت برطانیہ آپ کو دورہ کرنے کے لئے گاڑی بھی دے گی۔ بلخی صاحب مرحوم مہاراجہ کے زور دینے کے سبب انکار تو نہیں کر سکے صرف اسقدر کہا کہ میں ایک شرط پر ڈپٹی کمشنر صاحب کی خواہش پوری کر سکتا ہوں۔ میں اپنی فیملی کرائے کیلا سے چکر دھر پور منتقل کر دوں گا۔ اسلئے کہ وہاں

یہ ابھی زیر تعلیم ہے۔ سالانہ امتحان کے بعد جب اسکا نتیجہ برآمد ہوگا تو اُسے اور اپنی فیملی کو وطن بھیج دونگا اسکے بعد میں چائباسہ میں برابر اس وقت تک رہوں گا جب تک ڈپٹی کمشنر صاحب کو میری ضرورت ہوگی۔ مہاراجہ نے ڈپٹی کمشنر سے ٹیلیفون پر باتیں کیں اور وہ تیار ہو گئے۔ مہاراجہ کا ایک خط بلخی صاحب کے نام ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بلخی صاحب مرحوم ۱۹۴۲ء کے بالکل آخر میں چائباسہ گئے۔ ۱

ہم لوگوں کا ارادہ فوراً چکردھرپور منتقل ہونے کا تھا لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا اور چند ماہ تک ہم لوگ سرائے کیلا سے چکردھرپور منتقل ہونے کے منتظر رہے۔ جس وقت ہم لوگ سرائے کیلا کو خیر باد کہہ رہے تھے۔ ایک عجیب دردناک منظر تھا۔ اندر باہر چاہنے والوں کا ایک ہجوم تھا۔ عورتیں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ وہ بچیاں جنھیں میری والدہ مرحومہ قرآن شریف اور اردو بنگلہ پر بطور کار خیر پڑھاتی تھیں اُن سے (والدہ سے) گلے ملکر رو رہی تھیں۔ باہر میں سکرو، رتن پیشکار، تمئے رام ہو، مکند، بدھو، محمد میاں، رفیع میاں، عثمان اور بہت سارے لوگ آبدیدہ تھے۔ میرے والد انہیں سمجھا رہے تھے کہ اُنہوں نے ابھی ایکدم سے سرائے کیلا کو خیر باد نہیں کیا ہے۔ وقتاً فوقتاً وہ آتے رہیں گے۔ وہ لوگ اتوار کے دن آکر چکردھرپور میں بھی بلخی صاحب سے ملاقات کر سکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ہم لوگوں کا قافلہ چکردھرپور کے لئے روانہ ہو گیا۔ میں اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ چکردھرپور میں بلخی صاحب مرحوم کے ماننے والوں کی تعداد کم نہ تھی۔ ان میں کافی لوگ ذی حیثیت بھی تھے۔ مثلاً دین محمد صاحب، عبدالرب صاحب، جمائی خاں، حافظ صاحب، نورالحسن صاحب وغیرہ۔ نورالحسن صاحب نے بہت زور دیا کہ بلخی صاحب مرحوم اپنی فیملی ان کے مکان میں رکھیں۔ ان کے پاس چکردھرپور میں پچیس تیس مکانات سے کم نہ تھے۔ بلخی صاحب مرحوم نے اُن مکانوں میں

---

1 Sarai killa

Dated Dec 12/15-1942

Dear Mr.Balkhi,

We have recived no further report from you regarding land acquisition of extra land with in our State, for Chaibasa Jamshedpur road.Would you please report the present position,specialy you are expected to the compensation money from the Bihar Government please treat this as urgent.

Your sincerely
Sd/ A.P.Singh
Maharaja & Acting chief

نے ایک کا انتخاب کیا۔ شرط یہ قرار پائی کہ جو کرایہ دوسرے لوگ دیتے اتنا ہی اُن سے بھی وصول کیا جائے۔ نورالحسن صاحب پہلے تیار نہیں ہوئے لیکن بلخی صاحب مرحوم نے یہ دریافت کر لیا کہ ان سے پہلے اس مکان میں جو اینگلو انڈین رہتا تھا وہ کتنا کرایہ دیتا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ پچیس روپیہ ماہانہ کے حساب سے کرایہ دیتا تھا۔ چنانچہ بلخی صاحب نے زبردستی اتنی رقم نورالحسن صاحب کی جیب میں رکھ دی۔ یہ مکان میرے ریلوے اسکول اور ریلوے اسٹیشن سے بہت نزدیک تھا۔ بلخی صاحب مرحوم دن میں چائباسہ چلے جاتے تھے اور شام کے وقت چلے آتے تھے۔ چائباسہ کی دوری چکردھرپور سے سترہ میل کی ہے۔ بلخی صاحب مرحوم کو چکردھرپور میں غنیمت ماحول مل گیا تھا۔ مولوی سید شاکر حسین، ماسٹر ظہیر الحق خاں، جناب عبدالرب، جناب حافظ احمد اللہ، جناب دین محمد وغیرہ کی رات میں برابر بلخی صاحب کے یہاں بیٹھک ہوتی تھی۔ علمی و ادبی گفتگو کا دور رات گئے تک چلتا تھا۔ میرے ہم جماعتوں میں سے تین چار لڑکے بلخی صاحب سے بہت مانوس ہو گئے تھے۔ ان میں محمد یونس خاں، عبدالقیوم، عبدالحفیظ وغیرہ کے نام مجھے یاد ہیں۔ بلخی صاحب کے پاس دو سنیما ئیں اور کچھ سائلنٹ فلموں کی ریلیں تھیں یہ لڑکے اکثر شب میں بلخی صاحب سے گذارش کر کے ان خاموش فلموں کو دیکھتے تھے چکردھرپور کے ذی وقار ہندو بلخی صاحب کے احباب بھی بلخی صاحب سے ملنے آتے تھے اسطرح ہم لوگ لگ بھگ دس ماہ تک چکردھرپور میں رہے میرے سالانہ امتحان کا نتیجہ نکلا۔ اسکول سے ٹی، سی لے لی گئی۔ بلخی صاحب نے کرسمس کی تعطیل کے ساتھ پندرہ دنوں کی چھٹی لے لی اور ہم لوگ اپنے وطن کے لئے روانہ ہو گئے۔ وطن آنے پر میرا داخلہ گورنمنٹ ہائی اسکول پٹنہ سیٹی میں ہو گیا۔ ہم لوگ اپنے موروثی مکان واقع بخشی محلہ میں اترے۔ یہ واقعہ ۱۹۴۴ء اور جنوری ۱۹۴۵ء کا ہے۔ بلخی صاحب مرحوم لگ بھگ پندرہ دنوں تک بخشی محلہ میں رہے۔ شام کے وقت اکثر ذی علم لوگ بلخی صاحب سے ملاقات کرنے آتے تھے۔ ان میں مبارک عظیم آبادی، وفا براہی، حکیم حسرت عظیم آبادی، مولوی ثاقب عظیم آبادی، ثمر آروی، میر ظفر حسین عظیم آبادی، سید حسن سید عظیم آبادی وغیرہ کے نام خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ علم و ادب کی باتیں ہوتی تھیں اسکے بعد شاعری کا دور بھی چلتا تھا۔ اکثر پروفیسر حسن عسکری صاحب بھی زیادہ تر دن کے وقت آتے تھے۔ اور جستجو، تحقیق، تواریخ سے متعلق رموز و نکات کی آپس میں عقدہ کشائی ہوتی تھی۔ خواجہ فخر الدین سخن کے لڑکے خواجہ رضی الدین اور خواجہ حفیظ الدین بھی اکثر اس محفل میں رہتے تھے ان کے ساتھ اکثر اس۔ ام۔ یوسف صاحب وکیل[1]

---

[1] مشہور افسانہ نگار احمد یوسف کے والد

بھی ان لوگوں کے ساتھ رہتے تھے۔ کبھی بلخی صاحب مرحوم کے گھر پر یہ محفل نہیں بھی جمتی تھی چنانچہ یہ لوگ ڈاکٹر عظیم الدین احمد مرحوم کے مکان پر جمع ہوتے تھے میں بھی ان لوگوں کے ساتھ ساتھ زبردستی چلا جاتا تھا۔ بلخی صاحب مرحوم کے منجھلے بھائی نظام الدین بلخی مرحوم شاگرد داغ دھلوی بھی پنشن یافتہ ہوکر اپنے موروثی مکان (بخشی محلہ) میں مستقل طور پر تھے چنانچہ وہ بھی اپنے مکان سے یہاں اسی محفل میں شریک ہونے کے لئے چلے آتے تھے۔

سرائے کیلا اسٹیٹ کی ملازمت سے سبکدوشی:- بلخی صاحب مرحوم جس دن بخشی محلہ پٹنہ میں اپنی فیملی کے ساتھ چکردھرپور سے آئے اسکے دوسرے دن پروفیسر حسن عسکری صاحب بلخی صاحب سے ملنے آئے۔ ملاقات ہوتے ہی اُنھوں نے بلخی صاحب سے فرمایا کہ آپ غالباً ریاست کی ملازمت سے سبکدوش ہوکر آگئے ہیں اچھا کیا اسلئے کہ پٹنہ یونیورسٹی کو ایک مدت سے آپکا انتظار تھا۔ کالی بابو (ڈاکٹر کے۔ کے۔ دتا مشہور تاریخ داں) آپ کے بارے میں برابر دریافت کرتے ہیں۔ دوچار دن قبل بھی وہ دریافت کررہے تھے کہ بلخی صاحب پٹنہ یونیورسٹی کب جوائن کررہے ہیں۔ ہم لوگ پٹنہ یونیورسٹی لائبریری کی عمارت میں ایک شعبہ ریسرچ کا کھولنا چاہتے ہیں۔ اس شعبہ میں یونیورسٹی نے دو ریسرچ فیلو کی تقرری کا فیصلہ کیا ہے ایک اردو فارسی اور عربی کے لئے اور دوسرا اسنسکرت پالی، ہندی وغیرہ کے لئے پہلے کے لئے آپ کا نام ہے اور دوسرے کے لئے پنڈت وشنولال شاشتری کا۔

بلخی صاحب نے عسکری صاحب سے کہا کہ ابھی اسٹیٹ سروس سے مکمل طور پر سبکدوش ہونے میں کچھ دیر ہے۔ امید قوی ہے کہ چندماہ کے اندر اندر وہاں سے پنشن یافتہ ہو جاؤنگا۔

بلخی صاحب کچھ دنوں تک پٹنہ میں قیام کرنے کے بعد سنگھ بھوم کے صدر مقام چائباسہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ دوماہ کے بعد وہ محض تین دنوں کے لئے پھر پٹنہ تشریف لائے اسکے بعد پوجائی تعطیل میں آئے اور لگ بھگ دس دنوں تک قیام کیا۔ ان دنوں شہر میں فرقہ وارانہ کشیدگی بہت تھی۔ عسکری صاحب لگ بھگ روزانہ دن میں بلخی صاحب کے یہاں تشریف لاتے تھے۔ اس بیچ جستجو اور تحقیق کے سلسلہ میں وہ لوگ بہار شریف بھی تشریف لے گئے۔ شہر کے اندر کافی سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن ان دو عظیم شخصیتوں پر اسکا کوئی اثر نہیں تھا۔ جتنی دیر تک عسکری صاحب بخشی محلہ میں بلخی صاحب کے ساتھ رہے علمی وادبی گفتگو میں ان دونوں کے اوقات گذرتے۔ کاغذوں پر کاجل لگاکر

پرانے کتبوں کی چھاپ کو پڑھنے میں دونوں مصروف رہتے۔ عسکری صاحب اپنے ساتھ کچھ بوسیدہ کاغذات کچھ فرامین لاتے اُنہیں پڑھنے کی دونوں حضرات کوشش کرتے۔ نکتہ چینی بھی ہوتی لیکن یہ دونوں حضرات ساری دنیا سے بے خبر ہو کر اپنے کاموں میں مشغول رہتے۔ چھٹی ختم ہونے پر بلخی صاحب پٹنہ سے تشریف لے گئے۔

کچھ دنوں بعد نواکھالی کے فرقہ وارانہ فسادات کا ردعمل بہار میں بھی ظاہر ہونے لگا۔ یہ ۴۶۔۱۹۴۵ء کا زمانہ تھا۔ بلخی صاحب سنگھ بھوم میں تھے۔ صوبہ بہار میں خون ریزی شروع ہو چکی تھی۔ طرح طرح کی خبریں پٹنہ میں موصول ہورہی تھیں۔ بخشی محلّہ کے سارے مسلمان محلّہ چھوڑ کر مسلمانوں کی آبادی کے محلوں میں پناہ گزیں ہو چکے تھے۔

میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ بلخی صاحب ایک عرصہ سے اس کوشش میں تھے کہ ریاست کی ملازمت سے انہیں نجات ملے۔ مہاراجہ کی تو دلی خواہش یہ تھی کہ بلخی صاحب ریاست سرائے کیلا کو نہ چھوڑیں چنانچہ وہ انہیں طرح طرح کے کاموں میں مشغول رکھتے اور انکی خوشنودی حاصل کرتے رہتے تھے۔ جون ۱۹۴۵ء میں انہیں کمشنر کے اعزاز سے نوازا گیا۔ اور مورخہ ۲۹/جون ۱۹۴۵ء کے نوٹیفکشن نمبر ۱۵۵ کے تحت انہیں ورک مین کمشنر بنایا گیا۔ [1] لیکن بلخی صاحب نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ ریاست کی ملازمت سے سبکدوش ہو جائیں۔ چنانچہ اُنہوں نے مہاراجہ کا ذہن پھر اس طرف مبذول کرایا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد مہاراجہ بلخی صاحب کی اس درخواست پر دھیان دیتے ہیں اور سرائے کیلا سکریٹریٹ کے آڈر مورخہ ۲۷ مئی ۱۹۴۶ء کے تحت بلخی صاحب کو پھر کچھ دنوں تک کرائے کیلا میں رہنے کے لئے کہا جاتا ہے ساتھ ساتھ انکی تنخواہ میں مبلغ ۲۵ روپے ماہانہ کا

1.

Saraikilla State Secretriate

Notification No.155 Dated the 28th. June 1945

In exercising of the power under section 20(1) of the worksman compenssation Act as adopted in the state, Mr. Balkhi is hereby appointed as commissioner for worksman compensation for this state.

Sd./ A.P.Singh Raja of Saraikilla

Memo No 278 - 279 dated Saraikilla the 28th June 1945

copy forwarded to (1) Mr.F.Balkhi Magistrate ,Saraikilla State (2) publicity Department for the needful.

Seen Sd/ F.Balkhi

28.6.1945

Sd./ Magistrate Secretary

اضافہ بھی کردیا جاتا ہے۔ لیکن حالات ویسے ناسازگار تھے اور بلخی صاحب کی صحت بھی پہلے جیسی نہیں رہی تھی لہذا وہ جلد از جلد ملازمت سے سبکدوشی چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنی مجبوری ظاہر کی۔ اسکے جواب میں اسٹیٹ سے پھر انہیں ایک خط ملتا ہے جسمیں یہ گذارش کی جاتی ہے کہ اکسمس کی تعطیل تک انہیں ملازمت سے ضرور سبکدوش کردیا جائیگا۔ ۲

میں اوپر عرض کرچکا ہوں کہ شہر پٹنہ میں ان دنوں حد درجہ فرقہ وارانہ کشیدگی تھی۔ ادھر بلخی صاحب ۱۹۴۵ء ہی سے اس کوشش میں تھے کہ ریاست کی ملازمت سے وہ پنشن یافتہ ہوں۔ ادھر ہم لوگ اپنے وطن اور اپنے شہر میں رہ کر مہاجروں کی سی زندگی بسر کررہے تھے۔ ہم لوگوں کا قافلہ سنگی دالان بمکان جناب محمود علی خاں صاحب کے یہاں مہاجر بن کر منتقل ہوچکا تھا۔ میری

---

1. Sarai kella S tate Secretariate Rule'rs office

Dated Saraikilla ,the 27th. May 1946

Aporpos of my order of 10.2.46 Mr.F. Balkhi. Send me and expressed his willingness to continue in service till November 1946 .It is therefore ordered that Mr. Balkhi he sant to his former post at Karaikilla of and he given Rs.25.P.M in his salary with effect from 1st April 1946.

Sd/ A.P Singh
Raja of Saraikilla

Memo No. 364 - 368 dated Saraikilla the 27th May 1946

Copy to Mr. F.Balkhi

Memo No. 278 - 279 dated Saraikilla the 28th June 1945

2. Sarai kella
Dated 30/11/1946

My dear Mr.Balkhi,

Your application for retirement is receiving sympathatic consideration from his Highness We are on the look out of a substitute and it is hoped that we will be able to get one by the end of December In the circumstance i would request you to continue in office till the X.Mass holidays are over.

Please write to me early.

Your sincerely
Sd/ Illegiable

To
Mr.F.Balkhi
Magistrate and R.O.Keraikella.
P.O.Chakardharpur, Distt: Singhbhum

ماہ حاصل کرنے کی منظوری حکومت بہار سے حاصل کرلی۔ جو انہیں تادم حیات ملتی رہی۔

بلخی صاحب نے جب ریاست سرائے کیلا کو خیر باد کہا تو سرائے کیلا اور کرائے کیلا دونوں جگہوں کے خواص و عوام انکی جدائی کے احساس سے حد درجہ غمگین ہوئے۔ خود مہاراجہ دل سے یہ نہیں چاہتے تھے کہ بلخی صاحب ریاست کی ملازمت سے علحدہ ہو جائیں لیکن ایک عرصہ تک ٹال مٹول کرنے کے باوجود انہوں نے بلخی صاحب کی مجبوریوں کو محسوس کیا۔ وہ بلخی صاحب کو حد درجہ مانتے تھے چنانچہ وداع ہونے کے وقت انہوں نے بلخی صاحب مرحوم کو مبلغ ایک ہزار روپئے بطور انعام بھی دیئے۔[1] مختصر یہ کہ بلخی صاحب کو سرائے کیلا میں پھر چھ دنوں کے لئے رہ جانا پڑا۔

بلخی صاحب ریاست سرائے کیلا کی ملازمت سے پنشن یافتہ ہونے کے بعد سیدھے محلہ سنگی دالان پہونچے۔ اسلئے کی انکی پوری فیملی اور انکی شریک حیات کی والدہ اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ اسی محلہ میں پناہ گزیں تھیں۔ یہ واقعہ ۱۹۴۶ء کا ہے بخشی محلہ ایکدم ویران ہو چکا تھا۔ وہاں کے سبھی سفید پوش مسلمان اپنا مکان فروخت کر چکے تھے۔ "نے بست" (بلخی صاحب کے بڑے بھائی حفیظ الدین بلخی مرحوم کا مکان) فروخت ہو چکا تھا۔ نظام الدین بلخی مرحوم اپنا مکان فروخت کر کے محلہ کشمیری کوٹھی بمکان حافظ عبدالمنان صاحب کے یہاں پناہ گزیں تھے۔ عزیز الدین بلخی (مولف تاریخ شعرائے بہار) کے دو لڑکے منظر احمد بلخی عرف بن اور کریم الدین بلخی عرف کبن اپنا مکان فروخت کر کے ڈھاکہ روانہ ہو چکے تھے۔ خواجہ فخر الدین سخن کا مکان بھی صدر اعلی صاحب کی حویلی اُجڑ چکی تھی، خواجہ حفیظ الدین اپنا مکان فروخت کر چکے تھے۔ بلخی خاندان کے تو سبھی مکانات بک چکے تھے صرف بلخی صاحب مرحوم کا مکان نہیں بکا تھا۔ خواجہ فخر الدین سخن کی حویلی کا بیشتر حصہ اور نظام الدین بلخی مرحوم کا مکان پادری کی حویلی یعنی عیسائی مشن نے خریدا تھا۔ اب مشن والے فصیح الدین بلخی کا بھی مکان خریدنا چاہتے تھے۔ شروع میں بلخی صاحب مرحوم نے ٹال مٹول سے کام لیا لیکن جب پورے محلہ میں سناٹا دیکھا تو ایک

---

1. Copy of the order passed by the ruler on the office note regarding retirement of Mr. Balkhi

Approved pension of Rs. 152/12, and as Mr. Balkhi has served the state loyally and to the satisfaction of the state authorities he is granted a reward of Rupees one thousand (Rs.1000) only If Mr. Balkhi stays till the month of December until the new arrives and take charge it will be much appriciated .

Sd./ A.P.Singh Deo 29.11. 46
Ruling chief Saraikilla

Saraikilla State Secreatry Dated the 3rd.Dec.1946

Sd.. B.Bagchi Secretary . Copy to Mr. F.Balkhi for information

سال کے بعد اپنا موروثی مکان بھی پادریوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۹۴۷ء کا ہے۔

ہم لوگ کئی مہینوں تک محمود علی خاں صبا کے مکان میں رہے۔ اسی بیچ بلخی صاحب مرحوم ریاست سرائے کیلا کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر پٹنہ تشریف لائے۔ یہاں آنے کے کچھ دنوں بعد وہ لاہور اور کراچی کے لئے روانہ ہو گئے۔ لاہور جانے کا مقصد یہ تھا کہ ڈاکٹر سر عبد القادر ان سے ملنا چاہتے تھے۔ وہاں سے وہ اپنے عزیز و اقارب سے ملاقات کے لئے کراچی روانہ ہو گئے۔ بلخی صاحب کا یہ سفر خالص علمی و ادبی حیثیت رکھتا تھا۔ وہاں سے لگ بھگ دو ماہ بعد وہ پٹنہ تشریف لائے۔ پنجاب اور سندھ میں بلخی صاحب کو سکونت اختیار کرنے کی بھی پیش کش کی گئی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ وہاں سے واپس آنے کے کچھ ہی دنوں بعد میری نانی اماں کا انتقال بمکان صبا صاحب ہوا۔ کچھ دنوں بعد بلخی صاحب مرحوم نے نواب تجمل حسین صاحب کا مکان واقع محلہ باغ کالو خاں کرایہ پر لیا۔ اس مکان میں ہم لوگ لگ بھگ دو سال تک رہے۔ اس مکان میں بلخی صاحب مرحوم نے دو خوشیاں دیکھیں ایک میرے ماموں زاد بھائی سید امین اشرف بلخی کی شادی اور دوسری میری شادی۔ یہ دونوں شادیاں لگ بھگ دو ماہ آگے پیچھے انجام پائیں۔ بلخی صاحب مرحوم امین اشرف بلخی کو بھی اپنی اولاد سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ہر نیا آدمی ہم دونوں کو ایک ساتھ دیکھکر سگا بھائی سمجھتا تھا۔ امین اشرف بلخی کی شادی خان بہادر کمال صاحب مرحوم کی نواسی یعنی شاہ طہ صاحب مرحوم خسرو پوری کی دوسری صاحبزادی بی بی سعیدہ سے ہوئی۔ طہ صاحب مرحوم کا پورا قافلہ خسرو پور سے لٹ کر شاہ رفیع صاحب وکیل بن شاہ کمال صاحب (لودیکٹرہ) کے مکان میں پناہ گزیں تھا۔

نادم بلخی کی شادی: میری شادی داروغہ سید رحیم الدین احمد مرحوم خسرو پوری کی سب سے چھوٹی صاحبزادی بی بی وجیہہ النساء سے ہوئی داروغہ صاحب مرحوم کا پورا کنبہ خسرو پور سے اجڑنے کے بعد بلخی صاحب مرحوم ہی کی فیملی کے ساتھ تھا۔ بلخی صاحب مرحوم نے محض خلوص کے طور پر اس شادی کے موقع پر ایک دعوتی کارڈ مہاراجہ سرائے کیلا کو بھیجا تھا ٹھیک برات کے ایک دن قبل مہاراجہ صاحب نے مبارک باد کا ٹیلیگرام اور تار ہی پر مبلغ ایک ہزار ایک سو ایک روپیہ بطور سلامی روانہ کیا۔ مجھے اس تار کا مضمون اچھی طرح یاد ہے جو درج ذیل ہے:۔

Congratulation on your son's marriage (.) Accept Salami for daughter in law (.)
A.P.Singh Deo
Saraikella

(ترجمہ) ”بیٹے کی شادی پر مبارکباد (.) بہو کے لئے سلامی قبول کیجئے۔

اے۔ پی۔ سنگھ دیو۔ سرائے کیلا۔

نے حسن نعیم میں انتہائی درجہ کا علمی وادبی اعتماد پیدا کیا۔ اور انہیں شعر و شاعری سے حقیقی دلچسپی پر مائل کیا۔ اس وقت تک حسن نعیم نے باضابطہ شاعری نہیں شروع کی تھی۔ انکی صرف ایک نظم بعنوان ''تشویش'' علی گڈھ میگزین کے خصوصی نمبر میں شایع ہوئی تھی۔ غزل گوئی کی طرف انہوں نے کوئی دھیان بھی نہیں دیا تھا۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں اور اسکا اعتراف میرے دوست حسن نعیم کو بھی یقیناً ہے کہ بلخی صاحب ہی کے سبب وہ غزل گوئی کی طرف راغب ہوئے اور اس صنف میں نام کمایا۔ بلخی صاحب انکا کلام سنکر باتوں بات میں بڑے ہی پتے کی باتیں کہہ جاتے تھے۔ ہلکی پھلکی اصلاح کر کے فنی رموز و نکات سے انہیں آگاہ کرتے تھے۔ میرے دوست احمد یوسف بھی ان باتوں سے خصوصی دلچسپی لیتے تھے انکا میدان افسانہ نگاری تھا اور اسی میں انہوں نے نام کمایا۔

بلخی صاحب کی پٹنہ یونیورسٹی میں تقرری:۔ اوپر میں عرض کر چکا ہوں کہ پٹنہ یونیورسٹی میں بلخی صاحب کی تقرری کے لئے پروفیسر عسکری اور ڈاکٹر کے۔ کے۔ دتا بہت بے چین تھے۔ بلخی صاحب نے ابھی پورے طور پر ریاست سرائے کیلا سے سبکدوشی حاصل نہیں کی تھی کہ انکا تعلق ایک طرح سے پٹنہ یونیورسٹی سے ہو چکا تھا، اسلئے کہ پروفیسر حسن عسکری صاحب کے ساتھ انہوں نے کئی تاریخی حیثیت کی جگہوں کے سفر کا پروگرام بنایا۔ ایک بار گنگا پار حاجی پور اور مظفر پور یہ دونوں گئے۔ دوسری بار بہار شریف کے علاقوں کا سفر کیا۔ میں اس نوعیت کے دلچسپ واقعات پر مبنی کہانی کو مختصر کرتا ہوں اس لئے کے بلخی صاحب کی شخصیت سے متعلق جن جن اہل قلم کے تاثرات قلمبند ہو چکے ہیں اُن سے ان پہلوؤں کی نشان دہی بخوبی ہو جاتی ہے۔ مختصراً یہ کہنا ہے کہ بقول ڈاکٹر افضل امام یہ زمانہ ۴۷-۱۹۴۶ء کا تھا اور ''اس شعبہ سے اُنکی وابستگی ایک جگہ ۴۷ تا ۵۹ تک رہی انہوں نے ساڑھے چودہ سو مخطوطات، فرامین، اسناد وغیرہ جمع کر لئے''[1] بلخی صاحب مرحوم ان چھپے ہوئے خزانوں کے حصول کے لئے بقول شیخ سعدی علیہ رحمتہ اللہ ''بسیار سفر باید'' کے قائل تھے۔ ہندوستان کی شاید ہی کوئی لائبریری بچ گئی ہوگی جہاں بلخی صاحب مرحوم تشریف نہیں لے گئے ہوں گے۔ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن۔ رام پور کی لائبریری، کلکتہ کے مشہور و معروف کتب خانے مثلاً امپریل لائبریری، ایشیاٹک سوسائیٹی لکھنؤ، الہ آباد، علی گڑھ، دلی، بمبئی، مرشد آباد غرضکہ جگہ جگہ بلخی صاحب مرحوم تشریف لے گئے۔ صوبہ بہار

[1] مضمون فصیح الدین بلخی مرحوم اور پٹنہ یونیورسٹی از ڈاکٹر خواجہ افضل امام ناظم شعبہ مخطوطات پٹنہ یونیورسٹی

میں دسنہ کا کتب خانہ گیا شہر میں منو لال کی لائبریری، بہار شریف استھانواں، مظفر پور، بھاگل پور، در بھنگہ، پورنیہ، چمپارن، مونگیر، وغیرہ جگہوں کی خانقاہوں اور اہل علم کے ذاتی کتب خانوں میں جاکر چھان بین کی۔ مشہور خانقاہوں صوبہ، بہار کے اندر خانقاہ عمادیہ پٹنہ سیٹی، حضرت رکن الدین عشق کا تکیہ، میتن گھاٹ، پھلواری شریف، مونگیر، بھاگل پور، منیر شریف وغیرہ کی خانقاہوں کی بھی سیر کی۔ غرضکہ بلخی صاحب مرحوم کو برائے نام بھنک ملنے پر وہ فوراً اپنی منزل مقصود پر پہونچ جاتے تھے۔ صوبہ بہار کے نوابوں، رئیسوں اور اہل علم حضرات سے آرزو منت کر کے وہ چھپے ہوئے خزانوں کو ڈھونڈتے تھے۔ مختصر یہ کہ بلخی صاحب مرحوم تحقیق و جستجو کے میدان میں ساحل سمندر پر گھوم کر صرف سیپ بٹورنے کے قائل نہیں تھے بلکہ حضرت سعدی کے اس شعر پر عمل کرتے تھے

سعدی به لبِ دریا دردانه کجا یابی　　　در کام نهنگان روگری طلبی کامی

بلخی صاحب مرحوم کی تقرری پٹنہ یونیورسٹی میں باضابطہ طور پر ۱۹۴۷ء میں ہوئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اُن دنوں ہم لوگ محلّہ باغ کالو خاں پٹنہ سیٹی میں بمکان نواب تجمل حسین عرف منو صاحب بحیثیت کرایہ دار تھے۔ ماہ اگست کی بات ہے کہ ایک روز پروفیسر حسن عسکری صاحب صبح میں تشریف لائے اور کالی بابو (ڈاکٹر دتا) کا پیغام بلخی صاحب کو سنایا جسکے مطابق انہوں نے باضابطہ تقرری کے لئے درخواست دی۔ اس درخواست پر اپنا پتہ انہوں نے اپنے موروثی مکان بخشی محلّہ کا دیا۔ چنانچہ بحوالہ نمبر اے ۹۱۔ ۱۶۸۹۰ بتاریخ ۲۹.۲۸ جولائی انہیں پروانہ ملازمت ملا لیکن وہ فوراً جاکر جوائن نہیں کر سکے اسلئے کہ تحقیق و جستجو ہی کے سلسلہ میں وہ پٹنہ سے باہر گئے تھے۔ انہوں نے ۵ /اگست ۱۹۴۷ء کو باضابطہ طور پر یونیورسٹی کی

---

1 PATNA UNIVERSITY,

From The Registrar, Patna University P.o. Bankipure-Patna

To, F. Ballkhi Esqr. Buxi Mohalla, Patna City, Patna, The 28th/29th. July 1947.

N:- A/16890-91

Sir,

With reference to you application for the Post of Research Scholar for Collecting manuscripts in all language I am directed to say that the Vice-Chancellor has been pleased to appoint you for the year on a fixed Salary of Rs. 100/- per month, with effect from the date you join. You should report yourself to the principal, Patna College, immediately for further instruction

I. have in honour to be Sir

Your most obedient servant Sd/- P. Roy Choudhary,(Deputy Rejistarar)

ملازمت اختیار کی۔ ا

بلخی صاحب مرحوم تحقیق و جستجو کے سلسلہ میں جب سفر پر کمربستہ ہوتے تھے توانکے ساتھ یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے ہم مشرب اور ریسرچ اسکالر بھی ہوتے تھے۔ عسکری صاحب کو اگر موقع ملاتو وہ بھی ساتھ دیتے تھے۔ کئی مرتبہ ڈاکٹر دتا صاحب بھی صوبہ، بہار سے باہر انکے ساتھ رہے۔ ریسرچ اسکالروں میں ڈاکٹر جٹا شنکر جھا، قیام الدین اور ڈاکٹر جے دیو مسر بھی اُن سے قریب تھے۔

اس نوعیت کے دور دراز کے سفر سے جب بلخی صاحب اپنے وطن واپس آتے تھے تو اُن کے ساتھ بوروں میں بھرے ہوئے کاغذات، لوہے کے ٹرنک میں بھرے ہوئے مخطوطات، قلمی کتابیں اور پرانی مطبوعہ کتابیں ہوتی تھیں۔ وہ صوبہ، بہار سے باہر یا صوبہ کے اندر میں اس کام کے لئے جاتے توانکی نگاہ صرف وہاں کے کتب خانوں پر نہیں رہتی تھی۔ شہر گھوم گھوم کر لوگوں سے اپنے مطلب کی چیزوں کے حصول کی خبریں حاصل کرتے تھے۔ پتہ ملتے ہی اُس شخص کے پاس فوراً جاتے تھے۔ صرف یہی نہیں شہر کے جتنے مشہور کباڑیے ہوتے ان کے لگائے ہوئے ڈھیروں میں وہ گھس جاتے تھے۔ اس عمل میں ان کے ہاتھ پاؤں اور کپڑے بھی میلے ہو جاتے تھے لیکن انکی انہیں کوئی فکر نہیں رہتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ سستے داموں ان کاغذات کے بے ترتیب اور گرد سے اٹے ہوئے انبار کو خرید کر بوروں میں بھر لیتے تھے۔ اُن کو لیکر سیدھے گھر آتے تھے اسکے بعد کئی دنوں تک محنت کر کے اُن سے کام کی چیزیں بر آمد کرتے تھے۔ ساری چیزوں کی فہرست مرتب کرتے تھے اسکے بعد اپنے سفر کی رپورٹ ان چیزوں کے ساتھ یونیورسٹی میں داخل کرتے تھے۔ پٹنہ یونیورسیٹی کے ریسرچ جرنل میں پھر یہ رپورٹیں شائع ہوتی تھیں۔ اس نوعیت کی شائع شدہ رپورٹ کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو۔ ۲

ترجمہ پٹنہ یونیورسیٹی جرنل، ۱۹۴۹ء، جلد چہارم صفہ ۱۰۰تا۴۶

"a اس کارنیک کے لئے پٹنہ یونیورسیٹی نے دو محققین، پنڈت وشنو لال شاستری اور جناب الف بلخی کی تقرری کی۔ دونوں نے جستجو اور تحقیق میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور تاریخی اہمیت

---

۱ رجسٹرار پٹنہ یونیورسیٹی کے نام بلخی صاحب کی ایک درخواست کا اقتباس

"That I was appointed Research scholar for collection of Mss. in all languages will joined my post on 5. 8. 47 (wide copy of letter No.A - 16890-91 dated 26th/27July 1947"

2. .Notice of old work Patna university Journal Vol IV Page 46th to 100 by F.Balkhi - Vinshu lal Shastri.1949

رکھنے والے صوبہ، بہار کے مختلف حصّوں میں گھوم گھوم کر اہم کارہائے رفتہ کی چھان بین شروع کی۔

"b وہ چیزیں جو جناب ایف بلخی کی چھان بین کا نتیجہ ہیں ملاحظہ ہوں صفحہ ۹۳ جبکہ انکی تقرری گذشتہ ماہ اگست (۱۹۴۷ء) میں ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے ہوئی تو جناب بلخی نے اپنا کام شروع کردیا اور زندگی کے مختلف مکتبہ ہائے خیال سے تعلق رکھنے والوں تک رسائی حاصل کی۔ تاریخی اور ادبی حیثیت کے مخطوطات، فرامین اور اسناد کی دریافت میں کامیابی حاصل کی۔

مختلف لوگوں نے اُنہیں مدعو کیا تاکہ جو مخطوطات انکے پاس ہیں اُن سے جانکاری حاصل ہو۔ جب وہ گئے تو یہ پایا کہ ان میں زیادہ تر مذہبی قصہ کہانی کی قلمی کتابیں ہیں۔ اُنہیں خبر ملی کہ مقامی محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ سیٹی کی لائبریری میں کافی ایسے ذخیرے بنڈلوں کی شکل میں ہیں۔ اسکول کے اراکین سے اجازت لے کر جب معائنہ کیا تو یہ پایا کہ مجموعی طور پر دو سو چھبیس کتابیں تھیں جن میں ترانوے (۹۳) کی حشت مخطوطات کی تھی۔ جس پہلی کتاب پر اُنکا ہاتھ پڑا وہ جامی کی مثنوی یوسف زلیخا کا قلمی نسخہ تھا۔ اُسے جانچنے پر یہ اندازہ ہوا کہ اس مخطوطہ میں آخری ستائس (۲۷) صفحات میں نادر شاہ کے حملے سے متعلق راجہ جگل کشور کا مراسلہ ہے۔ راجہ جگل کشور نادر شاہ کے حملہ کے زمانے میں صوبہ دار (گورنر) نواب شجاع الدین خاں کا نمائندہ تھا۔

ساری کتابوں کو ٹھیک سے دیکھنے پر یہ نتیجہ نکلا کہ ان میں سینتس (۳۷) جلدیں انتہائی درجہ کی تاریخی اور ادبی قدروں کی حامل تھیں۔ انہوں نے اسکول والوں سے یہ کہا کہ ان کتابوں کی حفاظت ہونی چاہیئے جو اس اسکول میں ممکن نہیں۔ لہذا پٹنہ یونیورسیٹی کو یہ کتابیں دے دی جائیں اور انکے عوض طلبہ کے لئے کار آمد موجودہ علوم سے متعلق کتابیں حاصل کرلی جائیں۔

فہرست نیچے ملاحظہ ہو:-

(۱) یوسف زلیخا (قلمی) روئیداد نادر شاہ راجہ جگل کشور بہ شجاع الدین محمد خاں نوشتہ بود

(۲) جہانگیر نامہ (قلمی)

(۳) مکاتیب علامی (ابوصمد افضل محمد کا جمع کیا ہوا علامی ابوالفضل کے مکاتیب) جلد کے آخر میں یہ درج ہے۔ "نسخہ مکاتبات ابوالفضل، رقیمہ بخطِ خام چھکن لال ساکن موضع کولندری پرگنہ...... بمقام بلدہ عظیم آباد بحکم خواہش شیخ صاحب خداوند نعمت شیخ ریاست علی صاحب ولد شیخ فضل علی صاحب دام اقبالہ، واقع بتاریخ ہفتم شہر ذی الحجہ

۱۲۴۲ھ (۱۸۲۴ء)

(۴) مثنوی کلا کام

(۵) شاہ عالم نامہ (شاہ عالم اول کی گدی نشینی سے لیکر وفات تک کی تاریخ)

(۶) مہابھارت (فارسی زبان میں مہابھارت کا ترجمہ)

(۷) عجائب الابدان شیخ عذاری کی عربی نظموں کا فارسی نثر میں ترجمہ۔ صفہ چار کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ اسکی نقل شہنشاہ فرخ سیر کے عہد میں ہوئی اور اسکا مترجم حسن الحسینی نام کا کوئی شخص تھا۔

(۸) ظفر نامہ تیموری (تیمور کی فتوحات کا حال) اسمیں دلی اور میرٹھ کی فتوحات کا حال بھی درج ہے۔ پوری جلد میں لگ بھگ ایک ہزار صفحات ہیں۔

(۹) ظفر نامہ:- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذکورہء بالا کی تخلیص ہے۔

(۱۰) فوائد صوفیہ:- فارس کے صوفی خاندان کی تاریخ۔ اسمیں لگ بھگ تین سو برسوں کے حالات درج ہیں۔ اس مخطوطہ کی نقل ۱۲۱۱ھ میں ہوئی۔

(۱۱) مجموعہ دیوان و قصائد فرحت (قلمی) اٹھارویں صدی عیسوی کے ایک فارسی شاعر رام چندر فرحت کا مکمل شعری کلام جو زیادہ تر اُسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

(۱۲) دیوان امان اللہ خاں یقیں (اٹھارویں صدی کا ایک مشہور اردو شاعر۔ اس قلمی نسخہ پر ۸ر دسمبر ۱۷۹۲ء کی تاریخ درج ہے۔)

(۱۳) دیوان فدوی (یہ ایک نایاب قلمی نسخہ ہے)

(۱۴) دیوان سلطان جان۔ اردو کے ایک مشہور شاعر تھے۔ ان کے والد خواجہ حسین علی کے بارے میں شبہ کیا جاتا تھا کہ صوبہء بہار میں غدر ۱۸۵۷ء سے انکا تعلق تھا۔

(۱۵) دیوان منشا (مرزا احمد منشا اپنے وقت کے ایک مشہور اردو شاعر تھے اور اب انکا کلام نایاب ہے۔)

(۱۶) شرح شیخ بو علی۔ (چھ سو برسوں سے زیادہ قدیم قلمی نسخہ جسکی نقل ۵۷۴ھ میں ہوئی۔ شیخ بو علی کا شمار مشہور فلسفی اور طبیب میں ہے)

(۱۷) بیتال پچیسی:- ہندی میں قصہ کہانی کی مشہور کتاب کا فارسی میں ترجمہ۔

(۱۸) طوطا کہانی:- شاہجہاں آباد (دلی) کے حیدر بخش کی تصنیف۔

(۱۹) مراۃ الخیال:- ایک نایاب قلمی نسخہ جسکی نقل ۱۲۲۹ھ میں ہوئی۔ اسمیں چار سو چون (۴۵۴) صفحات ہیں۔ یہ کتاب موسیقی اور فنونِ لطیفہ سے تعلق رکھتی ہے۔ (شاید مرتذکرۂ مشہور شعرائے فارسی ہو۔ نادم)

(۲۰) لطائف الطوائف:- (فارسی) یہ منظوطہ بھی نایاب ہے۔

(۲۱) تحفۃ العراقین:- صوفیوں اور فقیروں کی سوانح پر روشنی جسکی نقل ۱۱۱۲ھ میں ہوئی۔

(۲۲) معجزات تصویہ:- پیغمبر اسلام کے جانشینوں کے معجزوں کا حال جسکے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ نہائت ہی نایاب ہے۔

(۲۳) مجمع الصنائع:- فارسی میں معمہ سازی کے طریقہ پر ایک قلمی کتاب نسخہ یہ کتاب نظام الدین احمد بن صالح الحسینی کی لکھی ہوئی ہے۔

(۲۴) رسالہ صرف ونحو:- ترکی، فارسی، قزلباشی اور رومی زبان میں لکھی ہوئی گرامر۔ خستہ حالت میں ہے لیکن مفید اور نایاب ہے۔

اسی مہینہ اگست ۱۹۴۷ء میں جناب بلخی صاحب نے گیا اور بھاگل پور کا دورہ کیا۔ اور کئی ایسے اشخاص سے رابطہ قائم کیا جنکے پاس یا تو بذاتِ خود قلمی نسخے اور مخطوطے تھے یا اُنکی مدد سے ایسے نسخوں کی دریافت ممکن تھی۔ اورنگ آباد سب ڈویژن میں اُنہیں معلوم ہوا کہ اورنگ زیب کے پہلے گورنر برائے صوبہ بہار نواب داؤد خاں کے خاندان والوں کے پاس کچھ نہائت ہی اہم فرامین ہیں۔ جناب بلخی نے اُن لوگوں کو اُن دنوں داؤد نگر میں نہیں پایا لیکن خبر بالکل درست تھی چنانچہ مختلف ادوار سے تعلق رکھنے والے آٹھ فرامین حاصل کرنے میں وہ کامیاب ہوئے۔

اورنگ آباد سے گیارہ میل پچھم کی طرف سری سانام کی جگہ میں ایک کتبہ (۱۰۷۰ھ) کی نقل انہوں نے حاصل کی۔ یہ کتبہ گاؤں کے درمیانی دروازہ کی مسجد میں لگے ہوئے ایک پتھر پر ہے اور کہا جاتا ہے کہ نواب قمر خاں کی عملداری کے زمانے میں اُس کی تعمیر ہوئی تھی۔ اس سلسلہ میں چھان بین کی ضرورت ہے کہ ۱۰۷۰ھ (۱۶۶۲ء) سے تعلق رکھنے والا یہ کون حاکم تھا۔ بلخی صاحب نے کئی لوگوں سے ملاقات کی اور یہ پتہ چلا کہ قلمی نسخے بدقسمتی سے ضائع ہوگئے۔ رجولی کے ایک شاہ صاحب کے پاس یہ موجود تھے جو کذرمہ چلے گئے اور وہیں اُنکا انتقال ہو گیا۔ مہینہ کے آخر تک بلخی صاحب وہاں رہے۔ کئی لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ شاہ محمد فائق نامی ایک شخص کے یہاں کچھ دنوں تک رہے لیکن

کوئی فرمان یا کوئی مخطوطہ نہیں ملا۔ شاہ صاحب نے کچھ تحریری اوراق اُن صوفیوں کے دکھلائے جنکے خاندان سے وہ تھے۔ درگاہ شہباز صاحب میں انہوں نے ایک کتبہ دیکھا جو بنگالہ کے حسین شاہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اور ۱۲ / رجب ۹۰۰ھ کا تھا۔ یہ کتبہ درگاہ کے باہری دروازے پر کی مسجد پر ہے۔ اسے پڑھنے کے لئے ایک سیڑھی کی ضرورت پڑی اور مزدوروں سے کتبہ کی صفائی کرائی گئی۔ یہ درگاہ مدا چک میں ہے۔

بھاگل پور میں بلخی صاحب نے چند شاہی فرامین دیکھے۔ یہ فرامین محلّہ خلیفہ باغ کے جناب سید شاہ فخر عالم کے پاس تھے۔ سب سے پرانا صوبہ، بہار سے تعلق رکھنے والا فرمان شہنشاہ اکبر کے وقت کا ملا۔ اس پر خان جہاں حسین قلی خاں کی مہر لگی ہوئی تھی جس نے بنگال اور بہار کے خودسر بادشاہ داؤد قریشی کو قتل کیا۔ فرمان پر تاریخ ۹۸۲ھ (۱۵۷۵ء) کی ہے۔ دوسرے فرمان پر عالمگیر کے بیٹے اعظم شاہ کی مہر ہے۔ ایک دم سرے پر دو سو بگھہ زمین بطور مدد معاش سید امان اللہ عرف پیر دمڑیا کو دئے جانے کا حکم ہے۔ اس پر ۱۰۹۲ھ کی تاریخ ہے جو اورنگ زیب کی حکومت کا چوبیسواں برس تھا۔ تیسرا فرمان محمد شاہ کے وقت کا ہے اس پر مہر عسکر خاں کی ہے۔ ۱۱۳۱ھ کا یہ فرمان ہے۔ اس سند سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک سید سلطان احمد نامی شخص نے فریاد کی تھی کہ دس برس کے اندر بارہ سو نوے (۱۲۹۰) روپیوں کی مالگذاری کو بڑھا کر آٹھ ہزار (۸۰۰۰) کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اُسے گھٹا کر بیالیس سو پچاس (۴۲۵۰) روپے کر دئے گئے۔

ستمبر کے مہینہ میں بلخی صاحب نے آرہ اور سہسرام کا دورہ کر کے محمد سید اظہار الحسن آروی سے ملاقات کی جنھوں نے اُنہیں ایک بہت پرانا مخطوطہ دکھایا۔ خستہ حالت میں یہ ایک ضخیم جلد تھی۔ شروع اور آخر میں بہت ساری فارسی نظمیں اور کہانیاں تھیں۔ مخطوطہ کی مکمل چھان بین کے بعد یہ معلوم ہوا کہ بیچ کے حصہ میں نظام الملک کا شہنشاہ محمد شاہ کے نام ایک خط تھا اور ساتھ ساتھ بحیثیت صوبہ دار بنگال تقرری کا پروانہ، ملازمت بھی تھا۔ کچھ حصے ضائع ہو چکے تھے اور اُن پر سادہ کاغذات لگا دئے گئے تھے۔ یہ ۱۱۳۰ھ کا ہے۔ اسکی نقل مالک کی اجازت لیکر حاصل کر لی گئی۔

سہسرام میں بلخی صاحب نے مولانا حکیم فخر الحسن صاحب کے پاس ایک قلمی دیوان پنڈت چندر بھان برہمن کا دیکھا یہ دیوان نامکمل تھا۔ اسلئے کہ ردیف (د) تک کی غزلیں اس میں تھیں اور ردیف (ی) تک یہ دیوان مکمل نہیں تھا۔ چندر بھان شاہ جہاں کے دربار میں معتمد تھا اور اسکا کام شاہی فرامین اور مسودوں کو جانچنا اور درست کرنا تھا۔ بلخی صاحب نے مخطوطات کے اوراق پریشان

بھی دیکھے اور اُنہیں درست کرانے پر انہوں نے شاہ جہاں کے بیٹوں میں گدی کے لئے خانہ جنگی کی تاریخ مرتب کی۔ بدقسمتی سے شروع کے سترہ (۱۷) صفحات غائب تھے اور آخر کے بھی کچھ اوراق نہیں ملے ان چیزوں کے مالک نے گم شدہ اوراق کو تلاش کر کے دکھانے کا وعدہ کیا۔

دوسرے مخطوطات میں چھ سو برسوں سے پرانا مشکاۃ شریف کا ایک قلمی نسخہ ملا۔ عربی میں منطق پر ہردائی کا (۱۰۳۳ھ) مرتب کردہ نسخہ تھا۔ یہ نسخہ اس اعتبار سے کام کا تھا کہ مشہور مصور شیخ عنائت اللہ کی بنائی ہوئی ۱۸۵ تصویریں تھیں۔ مغل آرٹ کے یہ اچھے نمونے تھے۔ اس کتاب کے مالک سید حبیب اللہ معرفت سید مبارک حسین ساکن محلہ پائی گلی پٹنہ سیٹی تھے۔ اسکے دوسرے صفحہ پر مصور عنائت لکھتا ہے کہ ۱۰۸۱ھ (۱۶۷۰ء) میں فن مصوری شروع کیا آخر ورق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۴۸ برسوں میں اس نے اس کام کو ختم کیا۔

اکتوبر ۱۹۴۷ء میں بلخی صاحب اسلام پور (ضلع پٹنہ) لکھمنیا (ضلع مونگیر) اور داؤد نگر ضلع گیا) تشریف لے گئے۔ لکھمنیا اور باری بلیا میں ذاتی کتب خانوں کو دیکھنے کا موقع ملا۔ پہلی جگہ اُنہیں مکاتیب علامی (ابوالفضل) اور وقائع نعمت خاں عالی یا اورنگ زیب کی تیس برسوں کی دکن کی مہم اور حکومت کا حال ملا۔ ایک نہائت ہی وقیع مخطوطہ قرآن حکیم کا چھ سو برسوں کا پرانا ملا۔ یہ مخطوطے پروفیسر کلیم الرحمن مرحوم کے کتب خانے میں ملے۔

اکتوبر کے آخری ہفتہ میں وہ گیا تشریف لے گئے۔ وہاں سے انہوں نے آٹھ قیمتی فرامین کی نقلیں حاصل کیں جو داؤد نگر کے نواب داؤد خاں کے وارث محمد صادق خاں کے پاس تھے۔ ان میں سے ایک فرمان ۱۰۶۷ھ کا شاہزادہ دارا شکوہ کا تھا۔ دوسرا فرمان ۱۰۶۹ھ کا اورنگ زیب کا تھا۔ اور اورنگ زیب کی اڑتیس برس کی حکومت کی نشان دہی کرتا تھا۔ چوتھا فرمان ۱۱۲۵ھ کا فرخ سیر کا تھا۔ پانچواں (۱۱۳۱ھ) محمد شاہ کا تھا۔ چھٹا بھی (۱۱۵۳ھ) محمد شاہ ہی کا تھا۔ ساتواں (۱۱۷۳ھ) شاہ عالم ثانی کا تھا۔

نومبر کے اوآخر میں بلخی صاحب نے آرہ اور گیا کا دورہ کیا۔ یہ دورہ زیادہ امید افزا نہیں ثابت ہوا لیکن شاہ اظہار کے بھائی شاہ شرف الدین نے پٹنہ میں کچھ کاغذات دکھانے کا پکا وعدہ کیا۔

دسمبر کے مہینہ میں بلخی صاحب نے شیخپورہ، چیواڑہ، امرتھ اور جموئی یعنی مونگیر ضلع کا دورہ کیا۔ حسین آباد کے نواب کے ذاتی کتب خانے کو دیکھنے کی اجازت سید صابر حسین سے حاصل کی۔

شیخ پورہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر چیواڑہ میں اُنہوں نے شاہ عالم کی پوتی گیتی آرہ کا مقبرہ

دیکھا۔اس قبر کے کتبہ کو پڑھا۔اسکے والد قیام اللہ اور شوہر شجاع الدین علی خاں کی قبر بھی دیکھی۔تینوں کتبوں پر ۱۲۲۲ھ، ۱۲۲۷ھ اور ۱۲۵۶ھ کی تاریخ ہے۔وہاں بلخی صاحب نے ایک کتب خانہ بھی دیکھا۔لیکن کوئی خاص کام کا مواد دستیاب نہیں ہوا ایک طالف علم محمد علی احمد کی مدد سے انہوں نے اورنگ زیب کے عہد کے ایک فرمان کی نقل حاصل کی جس پر امین بیگ خاں بہادر کی مہر تھی۔موضع امر تھ میں انہوں نے شاہ سید احمد خاں غازی کی درگاہ بھی دیکھی سید عبدالمجید ایک پنشن یافتہ پولیس افسر اور گاؤں کے دوسرے لوگوں نے یہ کہا کہ اُن لوگوں کے پاس مخطوطات کافی تھے لیکن کیڑوں نے چاٹ کر ختم کردیا۔

جموئی میں بلخی صاحب کو یہ خبر ملی کہ تواریخی اسناد مہاراجہ گدھور کے پاس کافی ہیں۔

مختصر یہ کہ دسمبر ۱۹۴۷ء تک چار ماہ تین ہفتوں کی جدوجہد میں انہوں نے سیکڑوں مخطوطات کا معانیہ کیا۔گیا، آرہ، پٹنہ، مونگیر اور بھاگل پور کے اضلاع میں کیا۔کوششیں کی گئیں کہ پٹنہ یونیورسیٹی لائبریری میں قیمتی مخطوطات کو محفوظ کرلیا جائے تاکہ مختلف رسرچ اسکالروں کے لئے یہ چیزیں کار آمد ہوں۔درجنوں شاہی فرامین کی نقلیں، اسناد، فرامین دو چار نہایت اہم فارسی کے کتبے حاصل کئے گئے۔

بلخی صاحب نے یونیورسیٹی میں یہ بھی رپورٹ پیش کی کہ ان فرامین اسناد قلمی کتابوں اور دیگر مخطوطات کے علاوہ انہوں نے کافی تعداد میں کتبوں کا معائنہ کیا ہے جن سے تیرہ صدی سے اٹھارہ صدی تک کے شہنشاہوں، بادشاہوں اور صوبہ داروں کی واقفیت ہوتی ہے جنکا تعلق صوبہ، بہار کی تواریخ کے مختلف عہدوں سے ہے۔اس پر تفصیل کے ساتھ مقالہ سپردِ قلم ہو تو بہار میں مسلمانوں کی چھ سو برسوں کی حکومت کے بارے میں بہت ساری قیمتی معلومات فراہم ہوں گی۔(ترجمہ نادم بلخی)

بلخی صاحب لی۔مزرر لین گذری پٹنہ سیٹی کے مکان میں:-اوپر میں عرض کرچکا ہوں کہ بلخی صاحب نے اپنا موروثی مکان (واقع بخشی محلہ) اس وقت فروخت کیا جب دیکھا کہ بخشی محلہ خاندان بلخیہ سے خصوصی طور پر اور دیگر مسلمانوں سے عمومی طور پر خالی ہو چکا ہے۔بلخی صاحب نے یہ کام اپنے کلیجہ پر پتھر رکھکر مجبوراً کیا تھا۔انکا ارادہ ترک وطن کا نہیں تھا ورنہ بہت پہلے ہجرت کرکے پاکستان چلے جاتے۔وہ اس فکر میں تھے کہ کسی معقول اور اچھے محلہ میں کوئی رہائشی مکان مل جائے۔اتفاقاً انہیں معلوم ہوا کہ نواب غضنفر نواب دانش عظیم آبادی کی خوش دامن

صاحب کا مکان فروخت ہونے والا ہے۔انہوں نے مکان جاکر دیکھا اور فوراً پسند کرلیا۔ معاملہ طئے ہو گیا۔اور مکان کی رجسٹری ہوگئی۔ یہ مکان محلہ گذری میں محمڈن اینگلو عربک اسکول سے پچھم اسکی پشت پر تھا۔نواب سید محمد اسمٰعیل عرف جن نواب صاحب مرحوم کے پھاٹک کے سامنے لی مزرر لین (Le-Measurir lane)نام کی ایک گلی ہے اسی میں اشوک راج پتھ سے بالکل قریب ہی یہ مکان ہے۔ یہ مکان خریدنے کے بعد بلخی صاحب محلہ باغ کالو خاں کے مکان کو چھوڑ کر یہاں منتقل ہوگئے۔اُنکے ساتھ بلخی صاحب مرحوم کے برادرِ نسبتی کے لڑکے سید امین اشرف بلخی بھی اپنی فیملی کے ساتھ اسی مکان میں آگئے۔اسلئے کہ ان دونوں نے ملکر یہ بڑا مکان خریدا تھا۔ یہ واقعہ ۱۹۴۹ء کا ہے۔

بلخی صاحب مرحوم کو اس محلہ میں نہایت ہی اچھا ادبی اور علمی ماحول ملا۔ مشہور شاعر کاظم حسین زار عظیم آبادی، مشتاق صاحب ایڈوکیٹ مرحوم، مظفر صاحب، ہڈماسٹر انوار کریم صاحب مرحوم، حمید حسن ایڈوکیٹ مرحوم، مخمور لکھنوی مرحوم،ایک عرصہ تک اسی محلہ میں مقیم رہے۔ضیا عظیم آبادی (مشہور افسانہ نگار) رنبی مواانگری مرحوم،عزیز عظیم آبادی ابن فضل حق آزاد مرحوم،الفت رائے صاحب وغیرہ برابر بلخی صاحب مرحوم سے ملنے آیا کرتے تھے اور دیر تک علمی وادبی مجلس اس مکان پر جمتی تھی۔ محمڈن اسکول میں برابر اچھے خاصے پیمانے پر مشاعرے ہوا کرتے تھے جس میں بانکی پور سے پٹنہ سیٹی تک کے تمام شعراء کرام طرحی غزلیں پڑھا کرتے تھے۔ مشاعروں کے انعقاد کا ہڈماسٹر انوار کریم صاحب مرحوم کو بہت شوق تھا۔انکے ادبی، علمی وشعری ذوق کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اسکول میں اکثر مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ بلخی صاحب مرحوم بھی عموماً ان مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے طرحوں کے انتخاب میں بھی بلخی صاحب کی رائے کو دخل ہوتا تھا گرچہ وہ خود بحیثیت شاعر ان مشاعروں میں بہت کم حصہ لیتے تھے۔لوگوں کے اصرار پر کئی طرحی غزلیں بلخی صاحب نے بھی کہیں جن میں سے ایک نیچے درج کی جاتی ہے۔

طولِ شبِ فراق کا شکوہ اگر کریں — اک رات ہی میں عمر ہم اپنی بسر کریں

میں بھی نگاہِ شوق کا آئینہ دار ہوں — میری طرف بھی اہلِ نظر اک نظر کریں

دیکھا اگر تو شکر کیا اس نگاہ کا — کس منہ سے ہم شکایتِ دردِ جگر کریں

دل خوش نہ ہو تو سیرِ جہاں اک وبال ہے — گذریں ہزار رنج جہاں ہم گذر کریں

بہتر ہے صاحبی سے قناعت کی زندگی — گوشے میں چھپ کے عمر ہم اپنی بسر کریں

قائل ہوں یوں تو میں بھی کہ واعظ ہے جوشِ بیاں
باتیں وہ کام کی ہیں جو دل پر اثر کریں

کٹوائیں سر کہ دل کو کریں نذرِ امتحاں
گردن کو ہم جھکائیں کہ سینہ سپر کریں

دو دن کی زندگی بھی ہمیں تو وبال ہے
کیا عمر جاوداں کی تمنا خضر کریں

اسکی گلی کی سیر بھی ہے امکاں کی سیر
رستہ کھلا ہوا ہے جہاں تک سفر کریں

مشقِ فنا سرشت میں اپنی ازل سے ہے
عمر ابد بھی ہو تو یہی عمر بھر کریں

دعویٰ سخن کا ہم گوارا نہیں فصیح
پیشِ نظر ہو عیب جو عرضِ ہنر کریں

محمڈن اسکول میں طرحی مشاعروں کا سلسلہ ہڈ ماسٹر انوار کریم صاحب جب تک اسکول میں رہے جاری رہا۔ ان کے پنشن یافتہ ہونے کے بعد رفتہ رفتہ یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور اسکی جگہ خواصی مشاعروں نے لے لی جو عام لوگوں میں "بریانی مشاعرہ" کے نام سے مشہور تھا۔ بلخی صاحب کو ایسے مشاعرے میں شریک ہوتے ہوئے میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ انوار کریم صاحب کا مکان ہم لوگوں کے مکان سے بہت نزدیک تھا وہ اکثر بلخی صاحب سے ملنے آتے رہتے تھے اسکی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ بلخی صاحب مرحوم کے سمدھی اور ہم زلف داروغہ سید رحیم الدین مرحوم کے ہم جماعت رہ چکے تھے اور انکے گہرے دوستوں میں تھے۔ بلخی صاحب مرحوم کو محلہ گذری کے مکاں میں آئے ہوئے لگ بھگ ایک سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ ڈاکٹر مبارک عظیم آبادی ٹیڑھی گھاٹ سے برابر ملاقات کی غرض سے آیا کرتے تھے۔

"جلوہ داغ" کی اشاعت:- ایک دن کا واقعہ ہے کہ مبارک صاحب مرحوم صبح سویرے تشریف لائے اور بلخی صاحب مرحوم کو یہ خوشخبری سنائی کہ ڈاکٹر سید محمود (اس وقت صوبہ، بہار میں وزیر تھے) نے انکے مجموعہ، کلام کی اشاعت کا وعدہ کیا ہے۔

ڈاکٹر مبارک صاحب کا پہلا مجموعہ تو بہت پہلے "مرقع سخن" کے نام سے شائع ہو چکا تھا اور دوسرے مجموعہ کی اشاعت کی بات ۱۹۴۵ء سے چل رہی تھی۔ اسی وقت بلخی صاحب نے اُن سے وعدہ کیا تھا کہ دوسرے مجموعہ کا پیش لفظ وہ خود قلمبند کریں گے۔ اُن دنوں ڈاکٹر مبارک صاحب محلہ چوک شکارپور پٹنہ سیٹی میں رہتے تھے اور بلخی صاحب کا تعلق ریاست سرائے کیا سے تھا۔ وہیں سے بلخی صاحب مرحوم نے ڈاکٹر صاحب کو ایک خط لکھ کر خاندانی اور ذاتی حالات طلب کئے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر

صاحب نے ابوالخیر رحمانی ساکن موضع قاضی بہیرہ ضلع دربھنگہ کی لکھی ہوئی "حیات مبارک عظیم آبادی بہاری ۱۹۳۸ء" روانہ کی تھی۔ یہ قلمی مسودہ ہنوز میرے پاس موجود ہے اور اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ساتھ ساتھ مبارک صاحب نے جو خط کا جواب بلخی صاحب کو لکھا اسکی نقل درج کی جاتی ہے۔

بلخی صاحب سلمہ تعالےٰ	Chaukshikarpur
سلام ودعا خیر۔ کل آپکا کارڈ ملا۔ آج	P.O.Begampur
اصل مسودہ جاتا ہے۔	(Patna)19'12'49

آپ میری شاعری کے متعلق جو فلسفیانہ مقدمہ لکھنا چاہتے ہیں۔ ضرور لکھئے زوردار لکھئے اور مزیدار لکھئے۔

میرے خاندانی حالات مسودہ، مرسلہ میں ہیں۔ مگر ترمیم کی ضرورت ہے یہ پٹنہ میں آپ کے قیام میں ہوگا۔ مسودہ کی ابتدا بھی مجھے پسند نہیں۔ یہ سب مضمون نکال دیا جائے گا۔ غرضکہ یہ ترمیم واضافہ آپ کے دورانِ قیام عظیم آباد میں ہوگا۔ انشاءاللہ جب آپ وہاں سے روانہ ہوں تو مجھے اس مضمون کا کارڈ لکھئے گا کہ تاریخ پٹنہ پہونچیں گے یہ فرمائش ہماری نوٹ کرلیجئے ہمیں آپ سے اس مخصوص میں ملنے کی ضرورت ہے۔ والسلام

دعا گو مبارک"

۱۹۴۵ء کے بعد حالات ایسے ناسازگار رہے کہ مجموعہ کلام کی اشاعت کی تحریک کئی برسوں ٹھپ پڑگئی۔ ڈاکٹر محمود صاحب مرحوم کی ادب نوازی نے اس کو از سر نو زندہ کیا۔ چنانچہ جب ڈاکٹر مبارک صاحب کو انہوں نے یقین دلایا تو وہ فوراً دوڑے ہوئے بلخی صاحب مرحوم کے پاس آئے اور ڈاکٹر محمود صاحب کے اس خیال سے انہوں نے اُنہیں (بلخی صاحب کو) آگاہ کیا کہ پوری شعری کائنات کی اشاعت ممکن نہیں لہذا انتخاب کا مرحلہ سامنے ہے۔ چنانچہ یہ کام بھی اُن (بلخی صاحب کو) انجام دینا ہے اور مقدمہ بھی سپردِ قلم کرنا ہے جسکا وعدہ کئی برسوں قبل کر چکے ہیں۔ بلخی صاحب مرحوم تیار ہوگئے اور برجستہ انہوں نے یہ کہا کہ آپ کے مجموعہ کلام کا نام "جلوہء داغ" ہوگا۔ اسلئے کہ آپ اس وقت داغ دہلوی کے شاگردوں میں انکے رنگ میں کہنے والے سب سے اچھے اور واحد شاگرد ہیں۔ داغ کے شاگرد علامہ اقبال مرحوم بھی تھے جن پر اردو شاعری کو ناز ہے لیکن انکا میدان الگ ہے

ور انہوں نے محض رسااور احتر اماداغ کی شاگردی کا اعتراف کیا ہے۔ جگر مراد آبادی بھی ایک بڑے شاعر ہیں اور نوح ناروی بھی لیکن آپ کی بات ہی اور ہے۔ آپ نے اپنی طرح اپنی شاعری کو بھی گوشہ نشیں بنا کر رکھا ہے۔ آپ نے اپنی حالیہ غزل میں تعلّی سے کام نہیں لیا ہے بلکہ حقیقت بھی یہی ہے۔ اور اسکے بعد بلخی صاحب نے مبارک صاحب کا یہ مقطع پڑھا:-

یہ داغِ سخن سنج کا ہے فیض مبارک
بلبل کو بھی گفتار ہماری نہیں آتی

بلخی صاحب نے ڈاکٹر مبارک صاحب سے یہ کہا کہ وہ اپنی پوری شعری کائنات کا مسودہ جلد ان کے حوالے کردیں۔

ڈاکٹر صاحب نے دوسرے دن صبح میں اپنی چھوٹی بیاض اور کتابی سائز کی ایک ضخیم بیاض بلخی صاحب کے حوالے کی۔ میرا اندازہ ہے کہ اس مجلد ضخیم کاپی میں تین چار سو سے کم غزلیں نہیں ہوں گی ماسوا اسکے چھوٹی چھوٹی تین بیاضوں میں بھی مجموعی طور پر دو سو سے کم غزلیں نہیں ہوں گی۔ معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے بعد محفوظ ہیں یا اُنکا بھی انتقال پُر ملال ہو گیا۔ خوشی کا مقام ہے کہ ڈاکٹر مبارک کے نواسے جناب سید ریاض الدین احمد نے کلیات مبارک عظیم آبادی کے نام سے ڈاکٹر مبارک کا معتد بہ کلام کراچی سے اگست ۱۹۹۹ء میں شائع کردیا ہے۔ نادم۔ ڈاکٹر صاحب کا پہلا مجموعہ "مرقع سخن" "جلوہء داغ" کی اشاعت سے لگ بھگ بیس سال قبل شائع ہوا تھا۔

مختصر یہ کہ بلخی صاحب نے گہری دلچسپی لیکر جلوہء داغ کی ترتیب و تقریظ کے کاموں کو انتخاب کلامِ مبارک کے بعد انجام دیا۔ اُن دنوں ڈاکٹر صاحب لگ بھگ روزانہ صبح سویرے بلخی صاحب مرحوم کے یہاں آتے تھے اور دس گیارہ بجے تک تشریف لے جاتے تھے۔ اسکے بعد بلخی صاحب یونیورسٹی چلے جاتے تھے۔ اتوار کے دن مبارک صاحب مرحوم دن بھر بلخی صاحب مرحوم ہی کے مکان پر رہتے تھے۔ بلخی صاحب خلوص لیکن سختی کے ساتھ اکثر مبارک صاحب کو یہ بھی کہتے تھے کہ آپ فلاں غزل کے فلاں فلاں اشعار کو نکال دیجئے یہ آپ کے شایانِ شان نہیں ہیں۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ مبارک صاحب مرحوم نے اپنی ایک غزل بلخی صاحب مرحوم کو سنائی۔ بلخی صاحب نے پوری غزل سننے کے بعد یہ کہا کہ آپ اپنی یہ غزل کسی بھی مجموعہ میں نہ رکھے غزل کا مطلع اور مقطع یہ تھا۔

مطلع:- عشق کی چوسر کس نے کھیلی یہ تو کھیل ہمارے ہیں
دل کی بازی مات ہوئی تو جان کی بازی ہارے ہیں

مقطع:- االہ رخوں میں عمر گنوائی پیری میں لیں آنکھیں موند
آج بھی گل سے گالوں والے مجھکو مبارک پیارے ہیں

بلخی صاحب مرحوم نے برجستہ مبارک صاحب کے چند پھڑکتے ہوئے اشعار پڑھے۔اور یہ کہا کہ آپ بہت کچھ کہہ چکے ہیں۔ عمر کا تقاضہ یہی ہے کہ آرام زیادہ کیجئے اور کوشش کیجئے کہ آپ کی ساری شعری کائنات شائع ہو جائے۔

مختصر اً یہ کہ "جلوہ داغ" کی اشاعت ہوگئی۔اس مجموعہ کی اشاعت کے بعد پروفیسر عطاالرحمن کاکوی (شاگرد شاد) کاایک مضمون شائع ہوا یعنی وہی شاد اور داغ سے متاثر حلقوں کا آپسی جھگڑا جو تہہ خاک چنگاری بنکر سلگ رہا تھا۔شہر میں یہ بھی مشہور ہوا کہ اس معرکہ آرائی کے اصل بانی حمید عظیم آبادی ہیں جنھوں نے انشادِ شاد کے جواب میں "کھلا چیلینج" شائع کرایا تھا۔واللہ اعلم بالصواب۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم دوڑے ہوئے بلخی صاحب مرحوم کے پاس آئے بلخی صاحب نے پورا مضمون پڑھا اور یہ کہا کہ اس کا جواب جلد شائع ہوگا۔

بلخی صاحب مرحوم نے اس مضمون کا جواب جلد ہی سپرد قلم کیا۔مبارک صاحب کو پڑھکر سنایا اور یہ فرمایا کہ ایک شاعر کے کلام پر دوسرے شاعر نے اعتراض کیا ہے۔

لہٰذا اس کا جواب بھی کسی شاعر ہی طرف سے لے جانا چاہئے اتفاقاً دوسرے ہی دن یاس بہاری مرحوم بہار شریف سے تشریف لائے تھوڑی دیر کے بعد مبارک صاحب بھی تشریف لائے۔

یاس صاحب نے یہ کہا کہ یہ مضمون میرے نام سے شائع ہوگا۔چنانچہ ماہنامہ "اشارہ" میں "ہم سخن فہم ہیں" کے عنوان سے یہ مضمون شائع ہوا۔قیوم خضر اڈیٹر اشارہ ابھی پٹنہ میں موجود ہیں اُن سے اس حقیقت کی تصدیق ہو سکتی ہے۔امید ہے کہ اصل مسودہ بھی خضر صاحب کے پاس محفوظ ہو گا جو بلخی صاحب کی تحریر میں ہے۔اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے۔قیوم خضر کی وفات ۱۹۹۸ء میں ہوئی مادۂ تاریخ وفات یہ ہے:

سال مسیحی نے یہ نادم کہا
مان! بحق ہو گئے قیوم خضر
۱۹۹۸ء نادم

محلہ گزری میں بلخی صاحب کی پرسکون زندگی بلخی صاحب مرحوم ریاست سرائے کیلا کی ملازمت سے پنشن یافتہ ہونے کے بعد بے چین سے نظر آتے تھے۔ اسکی ایک خاص وجہ تھی۔ اسٹیٹ کی ملازمت کے دوران اُس مشغولیت کی زندگی میں بھی ایک سکون ملتا تھا۔ وقت نکال کر وہ تصنیف و تالیف کی طرف بھی رجوع ہوتے تھے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بارہ برس کی تخت محنت کا پھل "تاریخ مگدھ" کی شکل میں منظر عام پر آیا۔ وہ خود کہتے تھے کہ تاریخ مگدھ لکھنے کا کام انہوں نے ۱۹۳۲ء میں شروع کر دیا تھا۔ جنگل کی زندگی ایسے کام میں رکاوٹ بھی پیدا کرتی تھی۔ مواد کی فراہمی کے لئے اُنہیں لندن، پٹنہ، کلکتہ وغیرہ کی مشہور لائبریریوں سے کتابیں منگوانی پڑتی تھیں۔ جنکا ذکر ہو چکا ہے اکثر وقت نکال کر تعطیل کے موقع پر وہ کلکتہ خاص اسی کام کے لئے جاتے تھے۔ پٹنہ آنے پر بھی انکا کافی وقت خدا بخش لائبریری، سنہا لائبریری اور پٹنہ یونیورسیٹی لائبریری میں گذرتا تھا۔ خدا خدا کر کے اپنے اس مشن میں کامیابی حاصل کر لی۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس گراں قدر کارنامے کی اُنہیں مالی اعتبار سے کوئی خاص اجرت نہیں ملی۔ انجمن ترقی اردو ہند نے دو روپے فی صفحہ کے حساب سے اسکا حق اشاعت حاصل کیا۔ پوری کتاب ..... صفحات پر مشتمل ہوتی ہے جسکے لئے انہیں مبلغ .....روپے ملے جبکہ اس سے بہت زیادہ وہ مواد حاصل کرنے اور اسفار پر خرچ کر چکے تھے۔ بلخی صاحب کو اسکا کوئی خاص خیال بھی نہیں تھا بلکہ کوشش تھی کہ تاریخ مگدھ ایک اچھے ادارہ سے شائع ہو جائے۔

بلخی صاحب کا قاعدہ تھا کہ جب وہ کتب خانوں، میوزیم اور تاریخی اہمیت کے حامل مقامات کی سیر کو جاتے تھے تو اُنکے پاس کئی کاپیاں (نوٹ بک) ہوتی تھیں۔ تاریخ مگدھ میں کام آنے والے مواد کے علاوہ بھی جو قیمتی مواد انہیں ملتے تھے الگ الگ نوٹ بک پر نقل کر لیتے تھے۔ اسی کے نتیجہ میں خاندان بلخیہ کا شجرہ مرتب کیا۔ خاندان بلخیہ کے لئے مواد "آثار بلخیہ" کے عنوان سے جمع کیا ہندوستان کی تاریخ میں اہمیت رکھنے والی مستوارت کے لئے ایک الگ نوٹ بک رکھ چھوڑی تھی۔ مقبروں، مسجدوں، خانقاہوں اور پرانے قلعے اور عمارتوں کے کتبوں کی نقل کے لئے ایک الگ نوٹ بک تھی۔ صوبہء بہار سے تعلق رکھنے والے اردو اور فارسی کے ہندو شعراء پر کتاب لکھنے کا بھی ارادہ وہ بہت پہلے کر چکے تھے اور اسکے لئے بھی ایک زمانے سے مواد فراہم کر رہے تھے۔ بلخی صاحب نے سمجھا تھا کہ ریاست کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اُنہیں ان کتابوں کے تصنیف کا اچھا موقع ملے گا۔ لیکن ۱۹۴۶ء کے بعد سے

جو حالات سامنے آئے اُنہوں نے زندگی کا سکون چھین لیا۔ تقسیم ہند کے بڑے اثرات کے شکار کس طرح ہندوستانی مسلمان ہوئے اس پر روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ بلخی صاحب کا محلہ بھی اجڑ گیا۔ بخشی محلہ کا علمی وادبی مرکز ختم ہو گیا۔ لوگ محلّہ کو خیر باد کہہ کر ادھر اُدھر بکھر گئے خود بلخی صاحب نے وطن میں رہکر ایک مہاجر کی سی زندگی بسر کی۔ بلخی صاحب اس لئے بے چین رہتے تھے۔ محلّہ گنذری کے مکان میں آنے کے بعد بلخی صاحب کو ایک حد تک سکون ملا۔ اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی کم سنی میں وہ کر چکے تھے۔ اسکی بھی یہی وجہ تھی یعنی وہ اپنے ٹوٹتے ہوئے معاشرے کی تنہائی کو دور کرنا چاہتے تھے۔ خدا نے اُنہیں ایک کھلونا ۱ بھی پوتا کی شکل میں جلد ہی دیا۔ بلخی صاحب موقع ملتے ہی اس کھلونے سے کھیلنا شروع کر دیتے تھے۔ اسکے علاوہ ۱۹۵۳ء میں ایک دوسرا کھلونا اُنہیں ملا ۲۔ پھر تیسرا ۳ ایک پوتی کی شکل میں جو ۱۹۵۶ء میں ٹوٹ گیا جس سے متعلق میری نظم مجموعہ، کلام آغاز سحر میں بعنوان "غم تازہ" ہے۔ بلخی صاحب کو اس کھلونے کے ٹوٹنے کا شدید صدمہ ہوا۔ قدرت نے پھر انہیں ایک کھلونا دیا ۴۔ اسکے بعد پھر ایک بچی پیدا ہوئی ۵
لی۔ مزرر لین گنذری پٹنہ سیٹی میں بلخی کدہ بلخی صاحب کے عزیز واقارب سے بھر گیا۔

حیدر آباد پر حکومت ہند کے پولیس ایکشن کے بعد وہاں کے مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ بلخی صاحب کے سب سے چھوٹے ہم زلف سید شاہ شمش الدین ابن سید شاہ فرید الدین یکتا شاگرد عبدالغفور شہبازؔ اپنے بال بچوں کے ساتھ پٹنہ آئے اور انکے ساتھ محلّہ باغ کالو خاں میں مقیم رہے انکے سمدھی اور ہم زلف سید رحیم الدین بھی اُس مکان میں انہیں کے ساتھ مقیم رہے۔ جب بلخی صاحب گنذری محلّہ کے مکان میں آگئے تو یہ دونوں بھی اسی محلّہ میں آگئے۔ شمش الدین صاحب بلخی صاحب ہی کے ساتھ مقیم رہے اور رحیم الدین صاحب نے نواب وارث اسمٰعیل کے مکان کا ایک حصہ کرائے پر لیا۔ امین اشرف بلخی کی اہلیہ اور انکی والدہ بی بی عائشہ بنت بی بی صالحہ ۶ کی فیملی بھی اسی گنذری کے مکان میں بلخی صاحب مرحوم کے ساتھ رہی۔ امین اشرف بلخی کے بچوں میں معز بلخی، فہم اشرف بلخی بھی بلخی صاحب کے لئے کھلونوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ مختصر یہ کہ سارا گھر بوڑھوں جوانوں اور بچوں سے بھر گیا۔ شمش الدین صاحب کے لڑکوں میں سید مبین الدین، سید عظیم الدین، سید نسیم الدین اور بلخی

---

۱ میرا بڑا لڑکا مظفر بلخی

۲ دوسرا لڑکا حیدر بلخی ۳ مرحوم بچی کلثوم ۴ تیسرا لڑکا مصطفےٰ بلخی ۵ میری بچی آمنہ

۶ دیکھئے تزکرہ نسوان ہند صفحہ ۶ حصہ دوئم اور مسلم شعرائے بہار مولفہ مولوی احمد اللہ ندوی

صاحب کی سالی اہلیہ مجید صاحب مرحوم رئیس ٹیڑھی گھاٹ کے لڑکے عزیز احمد بھی بلخی صاحب کو فرصت کے اوقات گھیرے رہتے تھے۔ غرضکہ بلخی صاحب کو اس نئے مکان میں ذہنی قلبی اور روحانی سکون ملا۔ چنانچہ تصنیف اور تالیف کی طرف وہ مشغول ہوئے جسکے نتیجہ میں "تذکرہ نسوان ہند" "تحریک وہابیہ" (انگریزی میں) اور "ہندو شعرائے بہار" جیسی ناقابل فراموش یادگاریں بلخی صاحب نے چھوڑیں۔

قیوم خضر اور بلخی صاحب:۔ ۱۹۵۲ء کی بات ہے کہ بلخی صاحب مرحوم کے ایک پرانے دوست انجم مانپوری کے بھتیجے قیوم خضر محلہ گذری میں آکر اقامت پزیر ہوئے۔ انہوں نے نواب وارث اسمٰعیل کی حویلی کا ایک گوشہ کرائے پر لیا اور وہیں سے ماہنامہ "اشارہ" کا اجرا کیا۔ قیوم خضر بلخی صاحب مرحوم سے متاثر ہو کر اُن سے بہت شوخ ہو گئے۔ وہ مجھ سے عمر میں بڑے ہیں اسلئے میں انہیں خضر بھائی کہتا ہوں۔ بلخی صاحب مرحوم سے اُنہوں نے فرمائش کی کہ وہ "اشارہ" کو اپنے قلمی تعاون سے نوازیں۔ بلخی صاحب مرحوم نے انہیں اپنے نیک مشورے دئے اور یہ وعدہ کیا کہ وہ "اشارہ" کو اپنے قلمی تعاون سے نوازتے رہیں گے۔ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۱ء تک وہ برابر "اشارہ" کے لئے مضامین لکھتے رہے۔ قیوم خضر کو اس بات کا فخر ہے کہ بلخی صاحب کے سب سے زیادہ مضامین "اشارہ" میں ہی شائع ہوئے۔ اسکا اعتراف انہوں نے بلخی صاحب کے انتقال کے بعد اُن پر سپرد قلم کئے ہوئے مضامین میں یوں کیا ہے۔

[1] "........ پیسوں سے تو نہیں مگر میں مضامین سے مدد کرتا رہونگا۔ بلخی صاحب نے اپنا یہ وعدہ مرتے دم تک نبھایا۔ مجھے فخر ہے کہ بلخی صاحب کے جتنے مضامین اشارہ میں چھپے ہیں، بہار کے کسی دوسرے رسالے میں نہیں چھپے۔ وہ ہر لحہ میری ترقی اور کامیابی کی دعا کرتے رہتے اور عملی طور پر جو ممکن ہو تا گریز نہیں کرتے"

سہیل عظیم آبادی اور بلخی صاحب:۔ ملک کے مشہور افسانہ نگار سہیل عظیم آبادی سے بلخی صاحب کے مراسم بہت پرانے تھے۔ جسکا اعتراف انہوں نے اپنے مضمون "بلخی صاحب" میں یوں کیا ہے۔

[2] "میں سید فصیح الدین بلخی کے نام سے اس وقت آشنا ہوا جب ندیم کا پہلا بہار نمبر شائع

---

[1] مرحوم بلخی صاحب (تاثراتی خاکہ) از قیوم خضر مطبوعہ "ہدیٰ" دہلی

[2] بلخی صاحب (تاثراتی خاکہ) از سہیل عظیم آبادی

ہوا۔ ندیم کا یہ بہار نمبر بہت سے بہاری باکمالوں کو متعارف کرانے کا سبب بنا۔ یہ زمانہ میری طالب علمی کا تھا۔ مرحوم نے کتبوں اور سکوں کے حوالے سے ایک قیمتی مضمون لکھا تھا۔ مجھے یہ مضمون بہت پسند آیا۔ یہی زمانہ میری ادبی زندگی کے آغاز کا تھا اور میں نے انجم صاحب کو خط لکھا تو اس مضمون کا سب سے پہلے ذکر کیا تھا۔ اس وقت سے میں نے مرحوم کے بارے میں بہت سی ضروری باتیں دریافت کرلیں"

بلخی صاحب مرحوم سے سہیل صاحب کے مراسم اس وقت سے قائم ہوئے لیکن باضابطہ ملاقات کا موقع انہیں ۱۹۴۹ء میں ملا۔ سہیل صاحب اُن دنوں انجمن ترقی اردو (ہند) سے منسلک تھا۔ بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق کے وہ بہت چہیتے تھے۔ عبدالحق صاحب نے جب تاریخ مگدھ کو انجمن ترقی اردو سے شائع کرنے کا فیصلہ کیا تو اس سلسلہ میں سہیل عظیم آبادی کو بھی گوش گذار کرایا۔ سہیل صاحب ان دنوں انجمن ترقی اردو ہی سے متعلق کاموں کے سلسلہ میں رانچی میں تھے۔ یہ بات ۱۹۳۹ء کی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ بلخی صاحب پروفیسر الطاف کریم مرحوم (رانچی کالج) سے ملنے رانچی گئے تھے۔ میں بھی اُن کے ساتھ تھا۔ بلخی صاحب کی سہیل صاحب سے سب سے پہلی ملاقات پروفیسر الطاف کریم مرحوم ہی کے مکان پر ہوئی۔ بلخی صاحب ریاست سرائے کیلا کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد جب پٹنہ آئے تو سہیل صاحب بھی رانچی سے پٹنہ آگئے اُسی وقت سے بلخی صاحب اور سہیل صاحب کے باہمی مراسم میں استواری آئی۔ سہیل صاحب نے جب رسالہ "تہذیب" کا اجرا کیا تو بلخی صاحب مرحوم سے ملنے آئے بلخی صاحب نے اپنے قلمی تعاون کا وعدہ کیا۔ چنانچہ بلخی صاحب مرحوم کے جتنے مضامین "تہذیب" میں شائع ہوئے (مثلاً عظیم آباد کا ایک جواں مرگ شاعر۔ ضیا عظیم آبادی، روز وماہ وسال کی تاریخی سرگذشت وغیرہ) علمی و ادبی حلقہ میں بہت مقبول ہوئے۔ سہیل صاحب جب آل انڈیا ریڈیو سے منسلک ہوئے اور انکی تقرری پٹنہ ریڈیو اسٹیشن پر ہوئی تو انہوں نے بلخی صاحب سے کئی اچھے اور قیمتی ریڈیائی مقالے نشر کروائے۔

سہیل صاحب سے بلخی صاحب کی زیادہ تر ملاقات رفیع الدین بلخی مرحوم کے مکان پر یا پٹنہ یونیورسیٹی لائبریری میں ہوتی تھی۔ لیکن سہیل صاحب موقع ملنے پر بلخی صاحب سے ملاقات کے لئے لی۔ مزرر لین گذری بھی جایا کرتے تھے۔

بلخی صاحب اور میرے احباب:۔ بلخی صاحب مرحوم جن دنوں پٹنہ یونیورسیٹی سے متعلق ہوئے میں کالج کا طالب علم تھا۔ میں اکثر اپنے دوستوں کو لیکر پٹنہ یونیورسیٹی جاتا

تھا۔ میرے کالج کے دوستوں میں (جب تک میں بی۔ان۔ کالج میں رہا) یونس رمزی، مقبول احسن شبنم اور صابر آروی برابر میرے ساتھ میرے مکان پر بھی آتے تھے۔ یونس رمزی اچھے افسانہ نگار تھے صابر آروی اور شبنم کی دلچسپی شعر و شاعری سے تھی۔ میرے یہ سبھی دوست بلخی صاحب مرحوم سے جلد ہی بے تکلف ہوگئے۔ جب میں پٹنہ کالج کا طالب علم ہوا تو وہاں میرے قریب ترین دوستوں میں ڈاکٹر شکیل الرحمان اور انیس امام تھے۔ ان کے علاوہ کلام حیدری، منظر شہاب، بدیع مشہدی، حسن نعیم۔ احمد یوسف گرچہ کالج میں میرے ہم جماعت نہیں تھے لیکن میرے گہرے دوستوں میں تھے اور آج بھی ہیں۔ ڈاکٹر شکیل الرحمان کے کمرہ میں (اقبال ہوسٹل) اکثر یہ بھی جمع ہوتے تھے اکثر ایسا ہوا کہ ہم لوگ وہیں سے بلخی صاحب مرحوم کے شعبہ، مخطوطات میں چلے گئے۔ میرے کالج کے طالب علموں میں بلخی صاحب سے سب سے زیادہ فائدہ شکیل الرحمان نے اٹھایا اور بلخی صاحب ہی کے سبب یونیورسیٹی کی نایاب کتابوں کو برائے مطالعہ اُنہوں نے حاصل کیا۔ شکیل الرحمان، بلخی صاحب مرحوم سے اس قدر متاثر تھے کہ جب انہوں نے اپنا کتابچہ "ہندوستان اور پاکستان میں زبان کا مسئلہ" شائع کرایا تو اُسے بلخی صاحب کے نام ان الفاظ میں معنون کیا۔

"محترم فصیح الدین بلخی کے نام..... ! جنکی شفقت اور ہمدردی کے لازوال سرمایہ کا میں ہمیشہ رہینِ منت رہوں گا۔ شکیل الرحمان"

شکیل الرحمان بلخی صاحب مرحوم سے بہت قریب ہوگئے اسکی خصوصی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ میرے گہرے دوستوں میں تھے اور اُن دنوں ہم لوگوں کی ادارت میں ایک ہفتہ وار رسالہ "زمین" پٹنہ سے نکلتا تھا جسکے مالک مشہور شاعر بسمل سنسہاروی کے فرزند ادریس سنسہاروی تھے۔ اس ہفتہ وار رسالے کو بھی بلخی صاحب مرحوم کی ہمدردی حاصل تھی۔ یہ رسالہ لگ بھگ دو سال چلنے کے بعد بند ہوگیا اور ہم لوگوں کے دوست ادریس سنسہاروی گیا چلے گئے وہاں جانے کے بعد انہوں نے مرحوم ماہنامہ "سہیل" میں نئی جان پھونکی جسے اُن کے والد اور بھائی کی سرپرستی حاصل تھی۔ "سہیل" دوبارہ زندہ ہونے کے بعد باقاعدگی سے چلا اور بہت دنوں تک جاری رہا۔ بلخی صاحب مرحوم کا قلمی تعاون اسے پہلے بھی تھا اور دوبارہ زندہ ہونے کے بعد بھی اسے انہوں نے نوازا۔ بلخی صاحب کی موت پر جو قطعہ، تاریخ اُن کے پرانے دوست بسمل سنسہاروی نے کہا اس رسالہ میں شائع ہوا جسکا مادۂ تاریخ آخری شعر میں یوں ہے۔

سنِ رحلت او گفت جمل از سرِ ابجد
فصیح الدین بلخی داخلِ ایوانِ جنت شد

۱۹۶۲ = ۱ + ۱۹۶۱ ء

میں نے بلخی صاحب مرحوم کو جس طرح پٹنہ یونیورسٹی میں دیکھا اُسے نیچے درج کرتا ہوں۔

میرا تعلق بحیثیت طالب علم، بی۔ان کالج، پٹنہ کالج یعنی پٹنہ یونیورسٹی سے پورے چھ برسوں تک رہا۔ یہ بات ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۳ء تک کی ہے۔ میں لائبریری سے کتابوں کے حصول کے لئے اکثر وہاں جاتا تھا۔ میرے ساتھ عموماً میرے دوست بھی ہوتے تھے جنکا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ بلخی صاحب کا شعبہ، مخطوطات یونیورسٹی لائبریری ہی کے ایک گوشے میں تھا۔ اس گوشہ، عافیت سے تعلق رکھنے والے علم کے متوالے دو فقیر تھے۔ ایک بذاتِ خود بلخی صاحب اور دوسرے پنڈت وشنو لال شاشتری تھے۔ میں جب بھی اس شعبہ میں داخل ہوا تو بلخی صاحب کے ارد گرد طلبا، پروفیسروں اور ریسرچ اسکالروں کو پایا۔ بلخی صاحب کے ہاتھ میں ایک بڑا میگنفائنگ گلاس، سامنے کوئی بوسیدہ مخطوطہ اور بلخی صاحب کی ذات اگر ان کے ارد گرد علم کے پیاسے جمع رہے تو بلخی صاحب کو اُن لوگوں سے رجوع پایا۔ پروفیسروں میں زیادہ تر میرے جانے پہچانے اور کئی میرے استاد بھی رہا کرتے تھے۔ مثلاً ڈاکٹر اختر اورینوی مرحوم، ڈاکٹر سید صدرالدین فضا شمسی مرحوم، پروفیسر حسن عسکری صاحب وغیرہ۔ اکثر بلخی صاحب اور پروفیسر حسن عسکری صاحب ہی کو پایا۔ ایسے اوقات میں یا تو اُن دونوں کو کسی بوسیدہ اور نہائت ہی خستہ حالت کے کسی فرمان یا کسی دوسرے کاغذ کے خطوطِ شکستہ کو پڑھنے میں مشغول پایا یا ریسرچ سے متعلق آپس میں مشورہ کرتے ہوئے پایا۔ کسی نایاب فرمان کے خطوطِ شکستہ کو پڑھ لینے کے بعد دونوں کے چہرے خوشی سے کھل پڑتے تھے۔ ریسرچ اسکالروں میں یونیورسٹی کے وہ طالب علم عموماً ہوتے تھے جو اپنی تھیسس کے لئے مواد کی فراہمی کی غرض سے بلخی صاحب کے پاس آتے تھے۔ ان میں شعبہء تواریخ، شعبہء فارسی، شعبہء عربی، اور شعبہء اردو کے طالب علم ہوا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر کا یہ حال میں نے پایا کہ شعر کو موزوں پڑھنے تک کی تمیز سے نابلد ہوتے تھے۔ بلخی صاحب جگہ جگہ پر اُنہیں ٹوکتے جاتے تھے۔ اگر دوبارہ اشعار کے پڑھنے میں ویسی ہی غلطی وہ کرتے تھے تو بلخی صاحب مسکرا کر اُنہیں سمجھاتے تھے۔ یہی وجہہ تھی کہ بلخی صاحب سے کسی ریسرچ اسکالر کو میں نے برہم ہوتے ہوئے نہیں پایا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ بیرونی ممالک سے

تعلق رکھنے والا کوئی سیاح یا ریسرچ اسکالر شعبہ میں داخل ہوتا تھا تو بلخی صاحب اُس کا پرتپاک خیر مقدم کرتے تھے اور شعبۂ مخطوطات میں رکھے ہوئے سارے خزانے کی کیفیت رک رک کر اُسے بتاتے جاتے تھے۔

اُن ہی دنوں میرے استاد محترم ڈاکٹر اختر اورینوی مرحوم، صدر شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسیٹی، ڈی۔ لٹ کی ڈگری کے لئے اپنا مقالہ ''بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقا'' سپرد قلم کر رہے تھے۔ لہٰذا وہ فراہمی مواد اور مشوروں کے لئے بلخی صاحب مرحوم سے ملنے شعبۂ مخطوطات میں جایا کرتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ اختر صاحب مرحوم مجھے وہاں بھیجتے تھے تاکہ اُنہیں یہ علم ہو جائے کہ بلخی صاحب مرحوم یونیورسیٹی میں موجود ہیں یا نہیں۔ بلخی صاحب مرحوم کے خلوص کا یہ حال تھا کہ خبر پاتے ہی وہ بذاتِ خود شعبۂ اردو میں اختر صاحب سے ملنے کے لئے چلے جایا کرتے تھے۔ اس تھیسس کی تکمیل میں بلخی صاحب سے جو بھی ممکن مدد تھی انہوں نے کی۔ اس کا اعتراف اختر صاحب مرحوم نے تحریری طور پر بطور حوالہ اپنی تھیسس میں بھی کیا ہے اور جب یہ تھیسس کتابی شکل میں شائع ہوئی تو ایک کاپی بلخی صاحب مرحوم کی خدمت میں اس تحریر کے ساتھ پیش کی۔ ''جناب فصیح الدین بلخی مدظلہ، کی خدمت میں اعترافِ معاونت کے طور پر ہدیہ، ناچیز از اختر اورینوی'' ۵۱۔۲۔۲ آیت اللہ جوہری کی تصویر بلخی صاحب ہی کی تحقیق کا نتیجہ ہے جسے اس کتاب کے لئے اختر صاحب نے بلخی صاحب سے حاصل کی۔

بعدہ ڈاکٹر سید صدر الدین فضا شمسی مرحوم نے آیت اللہ جوہری کو اپنی ڈی۔ لٹ کی تھیسس کا سبجکٹ چنا اور بلخی صاحب مرحوم سے اس سلسلہ میں ملنے برابر ان کے مکان پر بھی اور شعبۂ مخطوطات میں بھی آتے تھے۔ اختر صاحب مرحوم اکثر اپنے اُن شاگردوں کے ساتھ بلخی صاحب سے ان کے گھر پر یا یونیورسیٹی میں ملنے آتے تھے جسکا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ بلخی صاحب مرحوم ان ریسرچ اسکالروں کی ہر ممکن مدد کرتے تھے۔ ڈاکٹر حسنین (ح۔ م۔ اسلم) صدر شعبۂ اردو مگدھ یونیورسیٹی اُن دنوں گیا کالج میں لکچرر تھے۔ ان کی تھیسس کا موضوع ''مرزا فدوی عظیم آبادی...... حیات اور شاعری'' تھا۔ بلخی صاحب مرحوم سے اس سلسلہ میں وہ اکثر یونیورسیٹی اور مکان پر آکر ملتے تھے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد موضوع راسخ عظیم آبادی سے متعلق تھا۔ ڈاکٹر مطیع الرحمن کا موضوع راسخ کے دو شاگردوں محسن اور فرحت تھا۔ اُن دونوں کو بھی بلخی صاحب مرحوم کو اُن دنوں گھیرے ہوئے

دیکھا۔ مختصر یہ کہ جو بھی ہشیار نکلا بلخی صاحب مرحوم سے فائدہ حاصل کر گیا۔

بلخی صاحب مرحوم عموماً گیارہ بجے دن میں گھر سے یونیورسیٹی کے لئے روانہ ہو جاتے تھے۔ اپنے شعبہ میں وہ عام طور سے بارہ بجے دن سے چار بجے شام تک رہتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ بلخی صاحب دو بجے دن ہی میں اپنے شعبہ کو چھوڑ دیتے تھے اور وہاں سے سیدھے یا تو خدا بخش لائبریری یا سنہا لائبریری کا رخ کرتے تھے۔

بلخی صاحب مرحوم یونیورسیٹی چھوڑنے کے بعد اکثر اپنے بھتیجے رفیع الدین بلخی مرحوم (ایڈوکیٹ) کے یہاں چلے جاتے تھے۔ اسلئے کہ انکا مکان بھی ایک طرح کا علمی وادبی مرکز تھا۔ رفیع بلخی مرحوم میرے استاد محترم علامہ جمیل مظہری کے گہرے دوستوں میں تھے۔ جمیل صاحب اُن دنوں رفیع بلخی صاحب ہی کے مکان میں رہتے تھے۔ ایک عرصہ تک اُنکا قیام اُسی مکان میں رہا۔ شام کے وقت ادیبوں، شاعروں اور ذی علم لوگوں کی ایک محفل وہاں جمتی تھی۔ اس محفل سے سیاست دانوں کا بھی تعلق رہتا تھا۔ ایوب وکیل صاحب مرحوم، جمیل صاحب، جعفر امام صاحب مرحوم، وفا براہی، پروفیسر صبا رشیدی مرحوم وغیرہ روزانہ کی محفل جمانے والوں میں تھے۔ میرے دوستوں میں خواجہ بدیع الزماں (بدیع مشہدی) اور حسن نعیم بھی اُن دنوں رفیع بلخی مرحوم ہی کے مکان میں رہتے تھے۔ سیاست دانوں میں کمیونسٹ، سوشلسٹ، کانگریسی، مہا سبھائی ہر طرح کے لوگ اُس مکان میں آتے تھے۔ کامریڈ حبیب الرحمان علی اشرف بھی گاہے گاہے آتے تھے۔ میں بھی اکثر شام کے وقت اس علم کدہ سے لطف اندوز ہونے کے لئے چلا جایا کرتا تھا۔ کبھی کبھی میں نے ایسا محسوس کیا کہ بلخی صاحب مرحوم اس محفل میں موجود نہیں ہیں اور علمی رموز ونکات یا تحقیق و تواریخ سے متعلق کوئی بات مسئلہ ہو کر رہ گئی ہے۔ چنانچہ بلخی صاحب مرحوم کی آمد کا سبھوں کو انتظار ہے۔ بلخی صاحب آئے گفتگو چھڑی اور علم کے دریا میں اچانک ایک سیلاب آ گیا۔ رفیع الدین بلخی مرحوم کے گہرے دوست سید جعفر امام مرحوم سابق وزیر قانون (بہار) بھی آرام کرسی پر دراز بیٹھے ہوتے بغل میں ایوب ایڈوکیٹ مرحوم رہتے اور ارد گرد دوسرے احباب رہتے۔ علمی وادبی گفتگو کا سلسلہ رہتا۔ بیچ بیچ میں جعفر امام مرحوم ایک پر لطف چٹکلہ چھوڑ کر ساری محفل کو قہقہے میں تبدیل کر دیتے۔ صوبہ کے باہر سے آئے ہوئے عالموں ادیبوں اور شاعروں میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہوتا جو اس علم کدے کو نہیں نوازتا۔ میں مولانا آزاد سبحانی مرحوم، ساغر نظامی، احتشام حسین مرحوم، خلیل الرحمن اعظمی مرحوم وغیرہ کو بذاتِ خود اس علم کدہ میں دیکھا۔

ایسی بات نہیں کہ بلخی صاحب مرحوم صرف شعر و سخن اور علم و ادب سے تعلق رکھنے والوں ہی میں محبوب تھے۔ کمیونسٹ، سوشلسٹ، کانگریسی اور دیگر سیاستدانوں کو بھی جب ضرورت پڑتی بلخی صاحب مرحوم کی طرف رجوع ہوتے مثلاً اپٹا(IPTA) والوں نے جب "پیر علی" ڈرامہ اسٹیج کیا تو تواریخی مواد حاصل کرنے کے لئے بلخی صاحب مرحوم کے یہاں آئے۔ ڈاکٹر جگدیش پرشاد شرمک، آنجہانی چندر شیکھر سنگھ سابق وزیر بھی ضرورت کے تحت بلخی صاحب کو یاد کر لیتے تھے۔ بہار کے سابق گورنر شری آر۔ آر دیواکر بہار تھرو دی ایجیز لکھنے کیلئے مواد کی فراہمی میں کہیں پر دقت محسوس ہوتی تو گورنر ہاؤس سے بلخی صاحب مرحوم کو یاد کیا جا رہا ہے اور بلخی صاحب مرحوم نہائت ہی خلوص سے علمی طور پر معاونت کے لئے تیار ہیں۔ پٹنہ کے کمشنر سوہنی صاحب کی طرف سے فرمائش کی جا رہی ہے کہ دسنہ اور استھاواں کے کتب خانوں سے مواد فراہم کریں یا ایسی چیزیں جو قیمتاً یا تحفتہً دستیاب ہو سکتی ہیں تو خدا بخش لائبریری کے لئے حاصل کریں۔ چنانچہ بلخی صاحب ایسی ایک آواز پر لبیک کہنے کو تیار ہو جاتے اور نایاب چیزیں خدا بخش لائبریری کے لئے حاصل کر کے خوش خوش نظر آتے۔ سوہنی صاحب کو جب بھی تواریخی مواد کے حصول کے سلسلہ میں ضرورت محسوس ہوتی تو بلخی صاحب کو یاد کرتے اور یہ سلسلہ لگ بھگ بلخی صاحب کے مرتے دم تک جاری رہا۔ چنانچہ ۶۱-۱۹۶۰ء کی بات ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ڈیپارمنٹ آف آرکیالوجی کے ڈاکٹر زیڈ۔ اے۔ ڈسائی کو صوبہ بہار سے متعلق فرامین اور تواریخی مواد کی ضرورت پڑی انہوں نے سوہنی صاحب کو خط لکھا کہ "تاریخ مگدھ" اور اسکے علاوہ ضروری جو کچھ بھی اُن کے پاس مواد ہے ان ساری چیزوں سے اُنہیں آگاہ کریں۔ سوہنی صاحب نے فوراً بلخی صاحب کو آگاہ کیا اور بلخی صاحب ان ساری چیزوں کو لیکر سوہنی صاحب کے پاس فرصت ملتے ہی چلے گئے اور ڈاکٹر سرکار کے ذریعہ یہ ساری چیزیں ڈاکٹر زیڈ۔ اے۔ ڈیسائی صاحب کے پاس ناگپور بھیج دی گئیں ان چیزوں میں (۱) تاریخ مگدھ (۲) عظیم آباد اور اسکے ارد گرد سے تعلق رکھنے والے کتبوں کی نقل مجلد صورت میں (۳) سات صفحات پر مشتمل ایک قلمی نسخہ (۴) سولہ صفحات پر مشتمل مواد کی قلمی نقلیں تھیں۔ ڈیسائی صاحب نے انہیں حاصل کر کے فائدہ اُٹھایا اور اسکے بعد سوہنی صاحب کے پاس ساری چیزیں باحفاظت واپس کر دیں۔ چنانچہ سوہنی صاحب نے ڈیسائی صاحب کے خط کے ساتھ ساری چیزیں جو بطور امانت بلخی

صاحب سے انہوں نے حاصل کی تھیں واپس کردیں ۱؎

بلخی صاحب اپنے ہم مشربوں پر حد درجہ اعتماد رکھتے تھے چنانچہ اسی اعتماد کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے ایسے ایسے مواد صرف ایک اشارہ پر سوہنی صاحب کے حوالہ کردیئے جنکی کوئی نقل نہیں اور جو انکی زندگی بھر کی جستجو اور محنت کا نتیجہ تھیں خصوصی طور پر وہ مجلد قلمی نسخہ جو بہار اور خصوصی طور پر پٹنہ اور اس کے اطراف کے آثارِ قدیمہ کی بولتی ہوئی کہانی کی حیثیت رکھتا تھا۔

زندگی کی شام اور آخری ایام:- بات ۱۹۶۰ء کے آخری مہینہ دسمبر کی ہے۔ بلخی صاحب اس وقت تک پٹنہ یونیورسیٹی کی ملازمت سے پنشن یافتہ نہیں ہوئے تھے۔ شام کے وقت یونیورسیٹی سے اپنے گھر آئے میں ڈالٹین گنج سے پٹنہ اپنے وطن ایک دن قبل آیا تھا۔ بلخی صاحب

1

Governmemt of India
Deptt of Archaelogy

Ref No - 6/1/61-22
From Dr Z A Desai M A D litt
Asstt Supdtt of Epigraphy Deptt of Archaelogy old High Cort Building Nagpur-1
The 5th jan 1961
15 Paus 1882

Dear Mr Sohoni

Please refer to your letter D O No 689/C/K dated the 24th December 1960 addressed to Dr P C Sirkar, Govt Epigraphist for India. I have gone through the Manuscrapts giving an account of the city of Patna and its inscriptions and has got then relivent anformation noted cloumn In this connection I may inform you that we have already got in our collection estanpays of about 60 incriptions from Moughyre and Patna If you so desire brief particulars may be sent to you The information contained in the since manuscripts has been extremly helpful to us and I do hope in the said to take estanpages of important increptions mentioned there in that mght have been left out by us

The offer presented on the history of Bihar is already in our library and the same is also being refered to in this connection

I need not tell you have extremely gratefull I am for the kind interest you have been talking in these studies

I am returing today under seperate cover the tollwing

(1) Tarikh-e-Magudh (2) A mencript cretaing and account of inscreptions in and around Patna (3) A note of 7 hand written pages (4) A hand written note of sixteen pages handed over to me by Dr Sirkar as suggested by you

Thanking you again with greetings for a happy new year

Yours sincerely
Sd/ Dr Z A Desai

To
Sri S V Sohoni
ges
Commissinour
Patna Division Patna

نے ناسازیٔ طبعیت کی شکایت کی معلوم یہ ہوا کہ بخار میں مبتلا ہیں۔ مقامی ڈاکٹر جناب فخر احسن کو بلایا گیا انہوں نے دوادی۔ بلخی صاحب نے قارورہ میں جلن کی شکایت کی۔ صبح سویرے معاینہ کے لئے انہوں نے اپنی ڈسپنسری میں بلایا دوسرے دن علی الصباح انہیں قارورہ میں خون آیا۔ ڈاکٹر فخر و صاحب کی ہدایت کے مطابق انکے مرض کا معائنہ ڈاکٹر عبدالحی اور ڈاکٹر اے۔ کے۔ سین سے کرایا گیا۔ ڈاکٹروں نے انلارجڈ پروسٹریٹ (Enlarge Prostrate) کا مرض بتایا جسکا حقیقی علاج آپریشن ہوتا ہے لیکن کمزوری اور ضعیفی کے سبب ان دونوں ڈاکٹروں نے آپریشن کی مخالفت کی یہ مرض ۱۹۶۰ء کے آخری مہینہ میں شروع ہوا اور مارچ ۱۹۶۲ء میں اس نے زندگی کا کام تمام کیا اسی بیچ بلخی صاحب ملازمت سے بھی سبکدوش ہوگئے۔ جنوری ۱۹۶۲ء کے آخری ایام میں اس مرض نے سخت پیچیدگی اختیار کرلی۔ میں اُن دنوں ڈالٹین گنج میں تھا اچانک مجھے کالج ہی میں ایک تار ملا جس سے یہ معلوم ہوا کہ اُنکی حالت تشویش ناک ہے میں پٹنہ کے لئے روانہ ہوگیا۔

جب اس مرض کا حملہ ۱۹۶۰ء میں ہوا تو اس وقت میں پٹنہ ہی میں تھا۔ ڈاکٹر فخر و صاحب کے مشورہ کے مطابق پٹنہ کے بڑے بڑے سرجنوں اور ڈاکٹروں سے مشورہ لیا گیا۔ سرجنوں میں ڈاکٹر آر۔ وی۔ پی۔ سنہا اور بڑے معالجین میں ڈاکٹر عبدالحی مرحوم سے معائنہ کرایا گیا دونوں نے ہی کہا کہ مریض اس قدر کمزور ہے کہ آپریشن کے بارے میں سوچا ہی نہیں جا سکتا۔ جب ڈاکٹر عبدالحی مرحوم کے علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تو ڈاکٹر اے۔ کے۔ سین کے زیر علاج بلخی صاحب کو کیا گیا بلخی صاحب رو بہ صحت ہونے لگے یہاں تک کہ میں نے تبدیلی ہوا کو مد نظر رکھتے ہوئے سین صاحب کے مشورہ سے بہتر سمجھا کہ اُنکو ڈالٹین گنج لے آؤں۔ وہ میرے ساتھ ڈالٹین گنج تشریف لائے اور کئی ماہ تک یہاں میرے ساتھ انکا قیام بھی رہا۔

ڈالٹین گنج میں بلخی صاحب کا قیام:- ڈالٹین گنج میں بلخی صاحب مرحوم کی طبعیت کافی بہل گئی اسلئے کہ ان دنوں یہاں شعر و شاعری کی فضا پھولی پھلی ہوئی تھی۔ حلقہ شعر و سخن کے ماہانہ طرحی مشاعرے پابندی کے ساتھ ہوتے تھے۔ اساتذہ میں مہجور شمسی مرحوم، مولانا ایوب شمیم ندوی مرحوم، مولانا شمس الہدیٰ شمس سہسرامی (شاگرد نوح ناروی مرحوم) وغیرہ بڑھ بڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ یہ لوگ کم و بیش روزانہ صبح سویرے میرے غریب خانہ پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ بلخی صاحب کے باہر کے دوستوں میں مولانا عبدالروف ندوی مرحوم بھی دو بار بلخی صاحب سے ملاقات

کے لئے اورنگ آباد سے آئے اور دو دنوں تک قیام کیا۔ گیا سے ایک بار علامہ سریٰ کا بری مرحوم بھی آئے۔ علم و ادب سے تعلق رکھنے والوں میں میرے چند شاگردان بھی مثلاً کیول کرشن شرما (آنجہانی)، شعیب راہی مرحوم، عبدالمجیب نشتر وغیرہ بھی بلخی صاحب سے کافی مانوس ہو گئے تھے۔ ایک دن بلخی صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے کیول کرشن شرما نے یہ خواہش ظاہر کی کے میرا مجموعہ کلام شائع ہونے کے لئے وہ تیار ہیں چنانچہ جناب مہجور شمسی مرحوم اور بلخی صاحب مرحوم نے یہی کہا کہ ضرور شائع ہونا چاہئے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ اس مجموعہ کا نام ''آغاز سحر'' ہوگا۔ کلام کی ترتیب وانتخاب کا ذمہ کیول شرما نے لیا اور ان دونوں بزرگوں سے گزارش کی کہ وہ ان کی رہنمائی کریں۔ مسودہ کی صفائی کا کام شروع ہو گیا۔ جناب مہجور شمسی مرحوم نے یہ کام اپنے ذمہ لیا کہ صاحب مجموعہ کے اور انکے خاندان کے تعارف کا کام بطور تقریظ وہ اپنے ذمہ لیں گے۔ رفعت بلخی بھی ان دنوں ڈالٹین گنج میں تھے انہوں نے یہ کہا کہ مسودہ کی ایک کاپی آپ لوگ میرے حوالے کر دیجئے میں شکیل بدایونی سے اس کا مقدمہ سپرد قلم کرنے کی درخواست کروں گا۔ چنانچہ اس شعری مجموعہ میں تین مضامین ہیں ایک بعنوان ''عرض مرتب'' (از کیول کرشن شرما)۔ دوسرا پیش لفظ (از شکیل بدایونی) اور تیسرا مضمون بعنوان تعارف (از مہجور شمسی)۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ شکیل بدایونی مرحوم جن کا تعلق فلم سے تھا اور حد درجہ مشغول رہتے تھے انہوں نے بھی دو ہفتہ کے اندر اندر مجموعہ کا پیش لفظ لکھ کر بھیج دیا اور یہ مجموعہ ۱۹۶۱ء میں شائع ہو گیا۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ میری ادارت میں ڈالٹین گنج سے رسالہ کوئل (سہ ماہی) کا اجرا ہوا۔ بلخی صاحب ان دنوں ڈالٹین گنج ہی میں تھے انہوں نے وعدہ کیا کہ پہلے شمارے کے لئے وہ اہم تاریخی حیثیت کا مضمون سپرد قلم کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے ''پلاموں کی تاریخی سرگزشت'' کے عنوان سے ایک نہایت وقیع مضمون لکھا جو شائع ہونے پر علم دوستوں میں کافی مقبول ہوا وہ رسالہ کوئل کے شماروں کے لئے ادب اور تواریخ سے تعلق رکھنے والے مخفی اور تحقیقی مواد فراہم کرتے رہے۔ جس کا اندازہ کوئل کے شماروں کو پڑھنے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔

ایک دن کی بات ہے کہ بلخی صاحب کو آل انڈیا ریڈیو سے ایک خط ملا جس میں ان کو ''امداد امام اثر'' سے ایک مضمون نشر کرنے کی گذارش کی گئی تھی۔ بلخی صاحب مرحوم نے ڈالٹین گنج میں بیٹھے بیٹھے مضمون لکھا اور اسے اسٹیشن ڈائریکٹر کے پاس بھیج دیا اور جس دن وہ مضمون نشر ہونے والا تھا

اس سے قبل کی شب میں وہ پٹنہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ان کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ پٹنہ پہنچ کر کسی طرح یہ مضمون انھوں نے آل انڈیا ریڈیو سے نشر کیا اور اسی دن وہ حالت علالت میں ڈاکٹر اے۔ کے۔ سین سے ملنے کے بعد چلے آئے۔ یہ آل انڈیا ریڈیو پٹنہ سے نشر ہونے والا ان کا آخری مضمون تھا۔

بلخی صاحب ڈالٹین گنج پہنچنے کے کئی دنوں بعد اچھے اور بشاش نظر آنے لگے۔ وجہ یہ تھی کہ بلخی صاحب مرحوم کے دل بہلانے کے سامان یہاں مہیا ہوتے رہے۔ مجھور شمسی مرحوم، مولانا ایوب شمیم ندوی مرحوم، شمش الضحیٰ شمس سہسرامی مرحوم لگ بھگ روزانہ صبح سویرے بلخی صاحب مرحوم سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے تھے اور علم و ادب کی گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ میرے کالج کے دوستوں میں شعبہ تاریخ سے تعلق رکھنے والوں میں ڈاکٹر سید حبیب الدین اور صدر شعبہ تاریخ ڈاکٹر بی ویروم بھی اکثر بلخی صاحب سے ملنے کے لئے آتے رہتے ہیں۔

جب حلقہ شعر و سخن کے ماہانہ مشاعرہ کا وقت آیا تو مجھور صاحب اور دیگر اساتذہ نے بلخی صاحب سے گذارش کی کہ منعقد ہونے والے مشاعرے کے لئے وہ بھی اپنی طرحی غزلوں سے سامعین کو نوازیں۔ بلخی صاحب مرحوم نے فرمایا کہ گرچہ انہوں نے ایک لمبے عرصہ سے کوئی شعر نہیں کہا ہے ان کی شعری بیاض بھی گم ہو چکی ہے۔ یہاں جتنی غزلیں انہوں نے اب سنائیں ہیں صرف حافظہ سے کام لے کر ہی سنا سکے ہیں۔ بہر کیف وہ اس مشاعرے کے لئے طرحی غزلیں ضرور کہیں گے۔ بلخی صاحب مرحوم نے اس طرحی مشاعرے کے لئے دو غزلیں کہیں۔ یہ حلقہ شعر و سخن کا پچیسواں طرحی مشاعرہ تھا۔ مشاعرہ کا انعقاد اردو لائبریری میں ہوا اور اس کی صدارت بھی بلخی صاحب مرحوم نے کی۔ یہ دونوں غزلیں ان کی آخری غزلیں تھیں اور ڈاکٹر مظفر بلخی کی کتاب فصیح الدین حیات اور کارنامے صفحہ ۳۴۸ اور صفحہ ۳۴۹ پر ہیں۔ پہلی غزل میں اشعار کی مجموعی تعداد بیس اور دوسری میں گیارہ ہیں۔ پہلی اور دوسری غزل کا مطلع اول اور مقطع کے اشعار حسب ذیل ہیں۔

(۱) (i) بے حکم کچھ کرے یہ کسی کی مجال کیا — اپنے کئے پہ پھر ہو مجھے انفعال کیا

(ii) دور فلک میں عیش میسر ہو کیا فصیح — اک روز بھی بہت نے مجھے ماہ و سال کیا

(۲) (i) دنیا سرائے اس میں یہی اہتمام ہو — پیہم کسی کا سوچ، کسی کا مقام ہو

(ii) اپنی زبان پہ حرف نہ آئے کبھی فصیح — روح القدس بھی ہم سے اگر ہمکلام ہو

مشاعرہ کے دوسرے دن مہجور صاحب مرحوم نے مجھ سے کہا کہ آپ کے والد مرحوم کا حافظہ قابل داد ہے۔ ان کی بیاض گم ہو چکی ہے پھر بھی کافی غزلیں ان کو زبانی یاد ہیں جو ہم لوگ ان سے کئی دنوں کے اندر سن چکے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ان کی ساری غزلوں کو سنوں اور ایک نوٹ بک پر بقید تحریر کرلوں آپ اپنے والد صاحب کو اس کے لئے آمادہ کر دیجئے۔ میں کم و بیش روزانہ صبح میں ان کا نیاز حاصل کرنے کے آپ کے یہاں آتا ہی ہوں لیکن کل سے دوسرا کام ہونا چاہئے اور یہ کار خیر شروع ہو جانا چاہئے۔ میں نے والد صاحب مرحوم سے اس کا تذکرہ کیا وہ آمادہ ہو گئے چنانچہ دوسرے دن سے مہجور صاحب مرحوم نے یہ کام شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں لگ بھگ پندرہ غزلیں بقید تحریر ہو گئیں جو مظفر بلخی کی کتاب فصیح الدین بلخی۔ حیات اور کارنامے صفحہ ۳۴۴ تا صفحہ ۳۵۰ درج ہیں۔ ان کے علاوہ چند قطعات تاریخ جو فارسی اور اردو میں ہیں وہ بھی محفوظ ہو گئے جو اسی کتاب میں صفحہ ۳۴۲ تا صفحہ ۳۴۳ درج ہیں۔ بلخی صاحب مرحوم کا شعری سرمایہ اس سے بہت زیادہ تھا جس میں کچھ نظمیں بھی تھیں اور غزلوں کی تو اچھی خاصی تعداد تھی۔ بیاض گم ہونے کے سبب ان کی یہ ساری شعری تخلیقیں نیست و نابود ہو گئیں۔ سچ پوچھئے تو مہجور صاحب نے یہ بہت بڑا کام کیا کہ کچھ چیزوں کو محفوظ کر لیا۔

قطعۂ تاریخ طباعت......"دلچسپ کہانی اُن کی"

نتیجہ فکر: علامہ شارق جمال ناگپوری

احوال ماضی فیض باری	۲۰۰۰ء
قطعہ تاریخ طیبہ	۱۴۲۱ھ
تاریخ مزین از شارق جمال	۲۰۰۰ء
کاشانہ ادارہ غالب ناگپور	۲۰۰۰ء

قطعہ تاریخ طبع

وہ جو مشہور رہے صاحب تحریر عمل
ہر کسی پر تھی عیاں زور بیاں ان کی
یہ کتاب ان کے ہی احوال کا دیتی ہے پتہ
ہے "خبر بخش" یہ دلچسپ کہانی ان کی

۲۰۰۰ء

تاریخی رباعی در سن ھجری ۱۴۲۱

از وقار حلم سید نگلوی......رام پور (یو۔پی)

دور تاریخ

۱۴۲۱ھ

کیا خوب ہے یہ سحر بیانی ان کی
گل افشاں ہے زبان دانی ان کی
نادم نے وقار کی فصیح الدین کے نام
تخلیق یہ "دلچسپ کہانی ان کی"

۱۴۲۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکتبہ قادریہ امینیہ، سہسرام ضلع روہتاس

سہسرام ایک تاریخی شہر ہے جو صدیوں سے آباد ہے۔اور یہ شاہی جگہ ہے۔اسے شیر شاہ سُوری کی نگری بھی کہا جاتا ہے۔ آج بھی فرید خان عُرف شیر شاہ سُوری اور اُن کے والد حسن خاں سُوری کا مقبرہ اُن کی یادگار کو چار چاند لگائے ہوا ہے۔یہ وہ جگہ ہے جہاں بڑے بڑے علماء وصُلحاوجود میں آئے اور اپنے اپنے کارنامے اُجاگر کر کے اُس کی گود میں آرام فرما ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اسے مدینۃ الاولیا بھی کہتے ہیں۔ آج بھی یہاں علماء صلحااور دانشوران واُدباوشعراء کثیر تعداد میں ہیں۔یہاں خانقاہیں بھی ہیں اور مدارس اسلامیہ بھی۔یہاں چھوٹے ادارے سے لے کر بڑے ادارے بھی ہیں۔یعنی دینی ادارے بھی ہیں اور دُنیاوی ادارے بھی۔

یہ شہر جی ٹی روڈ پر واقع ہے۔ریلوے لائن بھی اس کو چھوتے ہوئے گذرتی ہے۔یہاں سے دلی، ممبئ تک کی گاڑیاں ملا کرتی ہیں۔یہ شہر اُونچے پہاڑ کے دامن میں بسا ہوا ہے۔اس پہاڑ پر کئی بزرگوں کے مزارات بھی ہیں۔جن میں ”چندن شہید رحمۃ اللہ علیہ“ مشہور ترین بزرگوں میں ہیں۔اس پہاڑ کے دامن میں ہر یکشنبہ اور ایام مخصوصہ میں بغرض زیارات مزارات مبارک وبغرض سیر وسیاحت لوگوں کا میلہ لگا رہتا ہے۔اس شہر میں بکثرت سڑکیں اور گلیاں ہیں۔یہ شہر ایک مردم خیز شہر ہے۔اور یہاں اور بھی دیگر آثار ہیں۔

اسی شہر میں آج سے دس سال قبل یعنی ۱۹۸۹ء میں ایک مکتبہ بھی قائم ہوا تھا۔جس کا نام ”مکتبہ قادریہ امینیہ“ ہے۔اس مکتبہ کے قائم کرنے والے راقم الحروف کے والد بزرگوار پیر طریقت حضرت علامہ ومولانا سید شاہ حماد احمد صابر قادری زیب سجادہ

خانقاہ قادریہ ابدالیہ سُلیمانیہ رشیدیہ میاں محلّہ پُرانا شہر داؤد نگر ضلع اورنگ مد ظلہ العالی ہیں۔ جس سال اس مکتبہ کا قیام ہوا۔ اُسی کے دوسرے سال ۱۹۹۱ء میں حضرت والد بزرگوار کی تالیف کردہ "طریقۃ الصالحین" اس مکتبہ کے زیر اہتمام طبع ہوکر منظر عام پر آئی۔

اس مکتبہ کا دوسرا کارنامہ "اکمل الصلوٰۃ" نامی کتاب کی طباعت و اشاعت ہے۔ یہ کتاب مسائل نماز پر ایک شاندار کتاب ہے۔ جس کے مرتب حضرت مولانا محمد عباس حسین رضوی قادری پوکھر بروی ضلع سیتامڑھی ہیں۔ یہ کتاب ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں کلکتہ پریس سے چھپ کر مکتبہ ہذا کے زیر اہتمام منظر عام پر آئی۔

مکتبہ ہذا کا تیسرا کارنامہ "چودہ طبق" نامی کتاب کی طباعت واشاعت ہے۔ یہ کتاب حضرت علامہ سید محمد ابراہیم متخلص جناب نادؔم بلخی صاحب کے مد ظلہ العالی کنڈ محلّہ ضلع پلاموں کی لکھی ہوئی ہے۔ جو بہترین شعری اصناف سُخن میں ہے۔ اس میں حمد و نعت منقبت سلام و دُعا جیسے اصناف ہیں۔ یہ پوری کتاب از اول تا آخر سائنٹ میں ہے۔ اس کتاب میں ہر عنوان کے تحت چودہ مصرع ہیں۔ یہ ۱۹۹۲ء میں ڈائمنڈ آرٹ پریس کلکتہ سے چھپ کر مکتبہ ہذا سے شائع ہوئی۔

اس کا چوتھا کارنامہ حضرت علامہ نادؔم بلخی صاحب ہی کی دوسری کتاب "بچو! آؤ پہیلی بوجھیں" کی طباعت واشاعت ہے۔ یہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۷ء میں دی آزاد پریس سبزی باغ پٹنہ ۴ سے چھپ کر مکتبہ ہذا کے زیر اہتمام منظر عام پر آئی۔ اس کتاب کی بھی کافی پذیرائی ہوئی۔ یہ کتاب از اول تا آخر منظوم پہیلیوں میں ہے۔ جیسا کہ کتاب کے نام ہی سے واضح ہے۔ اس میں کل پانچ سو پچیس (۵۲۵) پہیلیاں ہیں۔ جو علامہ کی صلاحیتوں کا بھرپور ثبوت پیش کرتی ہیں۔

مکتبہ ہذا کا پانچواں کارنامہ "دل چسپ کہانی اُن کی" کی طباعت و اشاعت ہے۔ یہ کتاب بھی حضرت علامہ جناب نادؔم بلخی صاحب مد ظلہ العالی ہی کی تصنیف مُنیف

ہے۔ یہ کتاب حضرت علامہ نے اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا سید فصیح الدین بلخی رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح حیات پر لکھی ہے۔ اس کتاب میں تقریباً ایک سو پینسٹھ ذیلی عنوانات ہیں۔ جو پیدائش سے وصال تک کے حالات وواقعات پر محیط ہے۔

"مکتبہ قادریہ امینیہ" ایک ایسے ربانی بزرگ سے منسوب ہے جن کا نام نامی اسم گرامی "حضرت علامہ و مولانا سید شاہ امین احمد قادری رزاقی" ہے۔ آپ خاندانی وجاہت کے اعتبار سے صحیح النسب سادات ہیں۔ آپ کا یہ نسب حضرت سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ سے متصل ہوتے ہوئے حضور سرور کائنات ختم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہونچتا ہے۔

آپ کی ولادت خانقاہ قادریہ ابدالیہ داؤد نگر میں بتاریخ ۶ رمضان المبارک ۱۲۴۹ھ میں ہوئی۔ آپ کی تعلیم وتربیت اپنے خاندانی بزرگوں کے زیر سایہ ہوئی اور علامہ ادہر ہوئے اور صاحب کشف وکرامات بھی اور صاحب تصنیف وتالیف بھی۔ آپ نے چون سال عمر پائی اور قلیل عمر میں داعی الحق کو لبیک کہتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔ مزار مقدس آستانہ، تاج العارفین شہر داؤد نگر میں ہے۔ جو خلق خدا کے لئے فیض بخش عام ہے۔

"مکتبہ قادریہ امینیہ" کی ترقی اور ترویج میں بلاشبہ آپ کے روحانی فیضان کار فرما ہیں۔ اللہ عزوجل اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ طفیل میں اسے اور دوبالا کرے۔ اور ہم اراکین کے حوصلوں کو اور زیادہ بلند فرمائے۔ آمین "اللھم آمین"

از۔ سید شاہ مناظر الحسن قادری رزاقی، شاہی محلہ
داود نگر۔ ضلع اورنگ آباد۔ ۲۰.۲.۲۰۰۰ء

حضرت نادمؔ بلخی صاحب کی تصنیفات

۱. آغاز سحر۔	(غزلیں، نظمیں سانٹ، رباعیات وقطعات)	مطبوعہ۔	۱۹۶۱ء
۲. ذوق سفر۔	(غزلیں، نظمیں سانٹ، رباعیات وقطعات)	مطبوعہ۔	۱۹۷۹ء
۳. دوپہر کا دائرہ۔	(غزلیں)	مطبوعہ۔	۱۹۸۴ء
۴. تحفے۔	(بچوں کے لئے نظمیں، رباعیات اور منظوم پہلیاں)	"	۱۹۸۵ء
۵. تفہیم العروض		"	۱۹۸۵ء
۶. دھوپ میں صحرانوردی۔	(غزلیں)	"	۱۹۸۶ء
۷. نقطوں کا حصار۔	(مجموعہ رباعیات)	"	۱۹۸۸ء
۸. جیون درشن۔	(دوہوں کا مجموعہ)	"	۱۹۸۹ء
۹. چودہ طبق۔	(نعتیہ سانٹوں کا مجموعہ مع حمد)	"	۱۹۹۱ء
۱۰. شعاع نقد۔	(تنقیدی وتحقیقی مضامین کا مجموعہ)	"	۱۹۹۳ء
۱۱. میٹھی میٹھی بولیاں۔	(دوہوں کا مجموعہ)	"	۱۹۹۴ء
۱۲. ضیائے عرفاں۔	(نعتیہ غزلوں کا مجموعہ مع حمد ومناقت وغیرہ)	"	۱۹۹۴ء
۱۳. شیدوں کی آواز۔	(دوہوں کا مجموعہ)	"	۱۹۹۴ء
۱۴. نکاتِ اربع۔	(مجموعہ رباعیات)	"	۱۹۹۴ء
۱۵. ترلوک۔	(ہائیکو کا مجموعہ)	"	۱۹۹۴ء
۱۶. بچوں آؤ پہیلی بوجھیں۔	(بچوں کے لئے منظوم پہیلیاں)	"	۱۹۹۷ء
۱۷. ترسول۔	(ماہیوں کا مجموعہ)	غیر مطبوعہ	۱۹۹۷ء
۱۸. باغی ارتعاش۔	(غزلوں کا مجموعہ)	"	۱۹۹۷ء

۲۰. شام سے پہلے۔ (نظموں کا مجموعہ) "

۲۱. آزاد لہریں۔ (آزاد غزلوں کا مجموعہ) "

۲۲. متاعِ نقد۔ (تنقیدی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ) "

۲۳. احوال پلاموں۔ (پلاموں کی سرگذشت) "

۲۴. مقالاتِ نادمؔ۔ (مضامین کا مجموعہ) "

۲۵. دل چسپ کہانی اُن کی۔ (سوانح حیات حضرت فصیح الدین بلخی) مطبوعہ ۲۰۰۰ء

فہرست کتب مطبوعہ خانقاہ قادریہ ابدالیہ
داؤد نگر ضلع اورنگ آباد (بہار)

نمبر شمار	کتابیں	مصنفین
۱.	حیات سیدنا	(حضرت مولانا حکیم سید شاہ انیس احمد قادری رزاقی داؤدنگری قدس سرہ)
۲.	اذکار طیبہ	(" " " ")
۳.	تحائف قادریہ	(حضرت مولانا سید شاہ حماد صابر قادری رزاقی داؤدنگری مدظلہ العالی)
۴.	روایت الصادقین	(" " " ")
۵.	طریقۃ الصالحین	(" " " ")
۶.	حکایت الکاملین	(" " " ")
۷.	واقعات العارفین	(" " " ")
۸.	واقعات الواصلین	(" " " ")
۹.	حُسن باکمال و بے نظیر	" " " "
۱۰.	وسیلۂ نجات	" " " "
۱۱.	انکشاف	" " " "
۲.	معمولات وارشادات رشیدیہ	" " "
۱۳.	فضائل سورۃ یٰسین	" " "
۱۴.	اذکار العرفاء	" " "

نمبر　کتابیں　مصنفین

۱

۱۵. اوراد واذکار " " " "

۱۶. شان رحمت " " " "

۱۷. عنوان مغفرت " " " "

۱۸. فیضان محبت " " " "

۱۹. نذرانۂ عقیدت " " " "

۲۰. رموز عشق " " " "

۲۱. فیوض عشق " " " "

۲۲. معطر قاشیں " " " "

۲۳. کربلا کا مسافر (حضرت مولانا سید شاہ اعجاز احمد قادری رزاقی داؤدنگری)

۲۴. معصومیت کے دو پھول " " " "

۲۵. کشکول سید الھند۔ " " " "

۲۶. لہو کی پکار۔ " " " "

۲۷. اکمل الصلوٰۃ۔ (مولانا محمد عباس حسین الحق قادری پوکھر پور ضلع سیتامڑھی)

۲۸. چودہ طبق۔ حضرت علامہ نادم بلخی پلاموی

۲۹. ضیائے عرفاں۔ " " " "

۳۰. بچو! آؤ پہیلی بوجھیں۔ " " " "

۳۱. صابر قادری کے سو اشعار۔ (سید وسیم احمد مشہدی آبگلوی)

۳۲. عشق کی گل کاریاں۔ (سید صبا احمد قادری رزاقی داؤدنگری)

فہرست کتب غیر مطبوعہ خانقاہ قادریہ ابدالیہ داؤد نگر ضلع اورنگ آباد(بہار)

شمار	کتابیں	مصنفین
۱.	منقبت محمدیہ	حضرت شیخ الشیوخ علی شیر شیرازی قدس سرہ
۲.	انساب محمدیہ۔	حضرت سید امین احمد قادری داؤد نگری قدس سرہ
۳.	اختر السجود۔	" " " "
۴.	مالی آخرت۔	" " " "
۵.	مجالس الاذکار۔	حضرت زین العابدین قادری قدس سرہ
۶.	لنگر قادریہ۔	" " " "
۷.	کشف الاسرار۔	حضرت سید عبداللہ قادری قدس سرہ
۸.	انیس القلوب۔	حضرت سید شاہ انیس احمد قادری داؤد نگری قدس سرہ
۹.	دیوان انیس۔	" " " "
۱۰.	کلام ربانی۔	" " " "
۱۱.	مناقب اہل بیت۔	حضرت سید شاہ رشید احمد قادری داؤد نگری قدس سرہ
۱۲.	چالیس سالہ تجربات۔	" " " "
۱۳.	حیات انبیاء حصہ اول و دوم۔	حضرت سید شاہ حماد احمد صابر قادری رزاقی مد ظلہ العالی داؤد نگری
۱۴.	کتاب الاوراد مع معمولات۔	" " " "
۱۵.	اقسام الاحوات۔	" " " "

نمبر	کتابیں	مصنفین

۱۶. میلاد مجتبیٰ۔ " " " "

۱۷. انساب قادریہ۔ " " " "

۱۸. حدیث رسول۔ " " " "

۱۹. واقعات پیر روشن ضمیر " " " "

۲۰. نقل حزب الادعیہ۔ " " " "

۲۱. تاریخ محدثین حصہ اول و دوم۔ " " "

۲۲. تاریخ قدیم و جدید۔ " " "

۲۳. رسالہ بشیر و نذیر۔ " " "

۲۴. حیات طیبہ۔ " " "

۲۵. سامان راحت۔ " " "

۲۶. ریحان نبوت۔ " " "

۲۷. اسرار عشق۔ " " "

۲۸. دیوان صابر۔ " " "

۲۹. واقعات اولیاء داؤد نگر۔ " " "

۳۰. انوار الاحکام فی ارکان الاسلام۔ مولانا محمد عباس حسین الحق قادری پوکھر برونی ضلع سیتامڑھی

۳۱. مناقب سید الھند۔ " " "

۳۲. جلوۂ باری۔ سید وسیم مشہدی آبگلوی (گیاوی)

۳۳. اللہ کے ننانوے نام۔ " " "